

اُردو (لازمی)

برائے جماعتِ دہام



پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ میکسٹ بک بورڈ محفوظ ہیں۔

منظور کردہ: پنجاب کریکولم اتحاری، وحدت کالوںی، لاہور۔

بمطابق مراحل نمبر PCA/13/576 موخر 11-10-2013

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ثیٹ پیپر،
گاہیں بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا مادوی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مؤلفین: پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صدر شعبہ اردو (ر) جامعہ پنجاب

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی سینیٹر ماہر مضمون اردو (ر)

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی سینیٹر ماہر مضمون اردو (ر)

نگران: ڈاکٹر جمیل الرحمن، سرفراز احمد فقیانہ، ظہیر کاشش

ڈاکٹر یکشہ مسودات: مسٹر شاہ قمر

ارکین ریویو کمیٹی:

- ۱۔ پروفیسر ڈاکٹر ارشد محمد ناشر
- ۲۔ ڈاکٹر احسان الحق
- ۳۔ پروفیسر طارق جیب
- ۴۔ پروفیسر غلام حسین ساجد
- ۵۔ پروفیسر محمد ظفر الحق چشتی
- ۶۔ پروفیسر تابندہ جیہیں
- ۷۔ عبد المجود عبداللہ
- ۸۔ سرفراز احمد فقیانہ
- ۹۔ ڈاکٹر محمد سعید سرور
- ڈپیٹی ڈاکٹر یکشہ گرافسکس آرٹسٹ: مائشو جید

علمی کتاب خانہ
تیار کردہ: کبیر شریٹ، اردو بازار، لاہور۔

042-37353510, 37248129, 35018291

مطبع: اسحاق افتخار پرنٹرز، لاہور
ناشر: پنجاب کریکولم اینڈ میکسٹ بک بورڈ، لاہور

Date	PMIU	PEF	PEIMA	Mines Labour Welfare Commissioner	Govt. Edu. G.B	Punjab Worker Welfare Board	Literacy Non Formal Basic Education	Literacy Taleem Sab ky lie	Total Quantity
Jan.2020	760,610	104,033	-	209	13,231	2,194	-	-	880,277

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا امیر بان نہیات رحم والا ہے۔

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفہ نمبر	مصنف
۱		۲	حفیظ جاندھری
۲		۸	احسان داشت

حصہ نشر

نمبر شمار	عنوان	صفہ نمبر	مصنف
۳	مرزا محمد سعید	۱۳	شاہد احمد دہلوی
۲	نظریہ پاکستان	۲۲	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
۵	پرستان کی شہزادی	۲۹	اشرف صبوحی
۶	اردو ادب میں عید الفطر	۳۲	ڈاکٹر وحید قریشی
۷	مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ	۳۸	سجاد حیدر یلدرم
۸	مئمع	۶۰	ہاجرہ مسرور
۹	چغل خور	۷۰	شفیع عقیل
۱۰	نام دیومالی	۸۰	مولوی عبدالحق
۱۱	علی بخش	۸۸	قدرت اللہ شہاب
۱۲	استبول	۹۵	حکیم محمد سعید
۱۳	خطوط غالب	۱۰۳	مرزا السد اللہ خاں غالب
۱۴	خطوط رشید احمد صدیقی	۱۰۹	رشید احمد صدیقی

حصہ نظم

نمبر شمار	عنوان	شاعر	صفہ نمبر
۱۵	میداں کربلا میں گرمی کی شدت	میرانیس	۱۱۷
۱۶	فاطمہ بنت عبد اللہ	علامہ محمد اقبال	۱۲۳
۱۷	کسان	جوش شیخ آبادی	۱۲۸
۱۸	جیوے جیوے پاکستان	جمیل الدین عالیٰ	۱۳۳
۱۹	اوٹ کی شادی	دلاور فگار	۱۳۸
۲۰	مال گودام روڑ	مرزا محمود سرحدی	۱۳۲

حصہ غزل

نمبر شمار	عنوان	شاعر	صفہ نمبر
۲۱	مُصیت بھی راحت فراہو گئی ہے	حضرت مولہانی	۱۳۸
۲۲	آدمی آدمی سے ملحا ہے	جگر مراد آبادی	۱۵۲
۲۳	سرمیں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں	فرقہ گورکھپوری	۱۵۷
۲۴	یہ فخر تو حاصل ہے، نہ ہے ہیں کہ بھلے ہیں	ادا جعفری	۱۶۱
۲۵	فرہنگ		۱۶۵
۲۶	اٹھ باندھ کر کیوں ڈرتا ہے		۱۷۷
۲۷	بپادر بچے	ناصر بشیر	۱۸۳

حفیظ جالندھری

(۱۹۰۰ء۔۱۹۸۲ء)

محمد حفیظ نام اور حفیظ تخلص تھا۔ جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ گھر یلو حالات سازگار نہ تھے، اس لیے تعلیم ادھوری رہ گئی۔ شعرو شاعری کا فطری ذوق رکھتے تھے، چنانچہ بچپن ہی میں شعر کہنے لگے۔ مولانا غلام قادر گرامی کی شاگردی اختیار کی۔ مختلف ادبی رسائل میں لکھتے رہے۔ مشاعروں نے انھیں شہرت دی۔ مختلف سرکاری مکھموں سے وابستہ رہے۔ ۱۹۷۲ء میں پاکستان چلے آئے۔ ۱۹۸۲ء میں لاہور میں فوت ہوئے۔ ان کا مزار اقبال پارک میں، مینار پاکستان کے قریب واقع ہے۔

زبان کی صفائی اور سادگی، سوز و گداز اور موسیقیت ان کے کلام کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ پاکستان کا قوی ترانہ ان کی ایک باعثِ فخر تخلیق ہے۔ انھوں نے دیگر بہت سی قوی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ حفیظ جالندھری ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے مختلف اصنافِ خن (مشتوی، گیت، غزل اور نظم وغیرہ) میں طبع آزمائی کی۔

شاه نامہ اسلام ان کی ایک قابل قدر تخلیق ہے۔ یہ اردو کی قوی، بلی اور رزمیہ شاعری میں عمدہ اضافہ ہے۔ ان کی چند تصانیف یہ ہیں: تلخابہ شیرین، سوز و ساز، حفیظ کر گیت، حفیظ کی نظمیں، چیونٹی نامہ۔

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلب کو حمد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ حمد کے ذریعے اللہ سے لوگانے کا جذبہ پیدا کرنا۔
- ۳۔ طلب کو حفظ جاندہی کی لفظ کوئی کی خوبیوں سے روشناس کرنا۔
- ۴۔ طلب کو غزل اور لفظ کے اصطلاحی معنی سے آگاہ کرنا اور ان کا فرق واضح کرنا۔

کشاکش کی صدائے ہاؤ ہو سے بھر دیا عالم
بہاری جاودا نی ہے اُسی کی باغبانی سے
بچائے ہیں اُسی داتا نے دستِ خوان نعمت کے
نظر آتی ہے سب میں شان اُسی کی ذات باری کی
نباتات و جمادات اور حیوانات کا خالق
وہی خالق ہے دل کا اور دل کے نیک ارادوں کا

بئر کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا جس نے
حمد مصطفیٰ کے نام پر پیدا کیا جس نے

(انتخابِ نعمت چلڈھم مؤلف: عبدالغفور قمر)

مشق

- ۱۔ درج ذیل نووالات کے مختصر جواب تحریر کیجیے:
- (الف) اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات کون سا ایک لفظ کہ کہتا ہے؟
- (ب) اللہ تعالیٰ نے انسان کو کن نعمتوں سے نوازا ہے؟ چند ایک تحریر کیجیے۔
- (ج) حمد میں خالق کی کن مخلوقات کا ذکر کیا گیا ہے؟
- (د) انسان کو کس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے؟
- (ه) لفظ "حمد" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

-۲

درج ذیل الفاظ سے مصروع عمل کریں:
مخلوقات، آسمانی، مظاہر، بشر

- (الف) نظام ہے اُسی کی حکمرانی سے
- (ب) زمیں پر جلوہ آ رہیں اس کی قدرت کے
- (ج) وہی ہے کائنات اور اس کی کا خالق
- (د) کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا جس نے

نظم "حمد" کے متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان (۷) لگائیں:

(الف) نظم "حمد" کس شاعر کی تخلیق ہے؟

(i) احسان داشت

جبل الدین عالی

(ii)

(iii) حفیظ جاندھری

جوشن تلحیح آبادی

(iv)

(b) کائنات کا وجود اللہ تعالیٰ کے:

(i) احکامات کا نتیجہ ہے

چاہئے کا نتیجہ ہے

(ii)

(iii) حرف گن کا نتیجہ ہے

ان سب کی وجہ سے

(iv)

(ج) نظام آسمانی اور بہارِ جاودا نی میں کون سی بات مشترک ہے؟

(i) ردیف ایک ہے

(ii)

(iii) معنی ایک ہے

فلام ایک ہے

(iv)

(d) یہ عالم اللہ تعالیٰ نے کس چیز سے بھر دیا ہے؟

(i) رنگ دبو سے

(ii) مخلوقات سے

(iii) جمادات و نباتات سے

(e) ذاتِ باری تعالیٰ کی شان کہاں نظر آتی ہے؟

(i) سرد و گرم میں

(ii) خلک و تر میں

(iii) آجائے اور تاریکی میں

(iv) ان سب میں

(f) اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتِ اسلام پر پیدا کر کے کون سا اور احسان کیا؟

(i) رزق و صحت دی

(ii) عقل و شعور کی دوپٹ دی

(iii) اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیدا کیا

(iv) یہ سب دیا

۴۔ کالم (الف) کے الفاظ کام (ب) سے ملائیں:

کالم (ب)	کالم (الف)
فطرت اسلام	ایک حرف گن
عالم کا پیدا ہونا	بھار جاوادی
باغبانی سے	بئر کا پیدا ہونا
دستِ خوانِ نعمت	کائنات
خالق	چھائے

۵۔ درج ذیل الفاظ کے متصاد لکھیے:

متصاد	الفاظ
	نشش
	سرد
	تر
	تاریکی
	خالق
	ثابت

۶۔ درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:

حرف گن، صدائے ہاؤ ہو، کشاکن، بھار جاوادی، جلوہ آرا، جمادات، بئر
حمد کے مطابق الفاظ کو ترتیب دے کر مصريے بنائیں:

(الف) قدرت، اس کی، جلوہ آرا، زمیں پر، ہیں، مظاہر، کے

(ب) کا، خالق، عباتات و جمادات، حیوانات، اور

(ج) سے، نظام آسمانی، حکمرانی، اسی کی، ہے

(d) جس نے، بشر کو پیدا کیا، فطرت اسلام پر
(e) باپ دادوں، کا، ہمارا، وہی مالک، اور، ہمارے

- ۸ - حمد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

- ۹ - حمد کے ہر شعر میں ہم آواز الفاظ موجود ہیں، ان کی نشان دہی کیجیے۔

- ۱۰ - درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیے:

حرف کن، جدادات، نباتات، بشر، نعمت

- ۱۱ - حمد کے تیرے اور چوتھے شعر کی تشرع کیجیے۔

نظم:

نظم کے لغوی معنی تنظیم اور ترتیب کے ہیں۔ عام غثیوم کے مطابق تو ہر کلامِ منظوم، نظم ہے لیکن اصطلاحِ سخن میں نظم اسی مسلسل اور مرتب صفت ہے، جس کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے۔ شاعر اسی مرکزی خیال کو ذہن میں رکھ کر داخلی اور خارجی تاثرات قلم بند کرتا ہے۔ نظم کے لیے بیت اور موضوع کی کوئی پابندی نہیں۔ پوری نظم ایک بھر میں ہوتی ہے اور اس میں قوانین کا ایک معین نظام ہوتا ہے۔ اردو شاعری کو محمد حسین آزاد، مولانا حآلی، علامہ محمد اقبال، جوشن ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، ظفر علی خان، احسان دانش اور فیض احمد فیض نے نظم کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔

غزل:

غزل عربی لفظ ہے لیکن اس صرف سخن کو ایرانیوں نے رانج کیا۔ غزل کے لغوی معنی عورتوں سے یا عورتوں کے بارے میں باتیں کرنا، کے ہیں۔ ہرن جب خوف زدہ ہو کر دردناک چیخ مارتا ہے تو اسے بھی غزل کہتے ہیں۔ اگرچہ غزل بھی نظم ہی ہوتی ہے لیکن اصطلاح میں غزل شاعری کی وہ قدیم قسم ہے جس میں حسن و عشق کی مختلف کیفیات کا ذکر درد و سوز سے کیا جاتا ہے۔ یہ شاعری داخلی کیفیات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اب غزل کے موضوعات میں اتنی وسعت آجھی ہے کہ مضامین کے اقتبار سے یہ انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

غزل کا ہر شعر ایک اکائی ہوتا ہے اور پوری غزل ایک بھر میں ہوتی ہے۔ اس کے مطلع کے دونوں مصرے ہم رویف و ہم قافیہ جب کہ دیگر اشعار کا ہر دوسرے مصرع ہم قافیہ و ہم رویف ہوتا ہے۔ میر قی میر، اسد اللہ خاں غالب، دانش دہلوی اور فیض احمد فیض کے علاوہ بھی بہت سے نمایاں غزل گوشراہیں۔

نظم اور غزل میں فرق:

غزل بنیادی طور پر نظم ہی ہے البتہ معروف معنوں میں نظم کے اشعار مرکزی خیال کے مطابق ایک ترتیب میں ہوتے ہیں جب کہ غزل کا ہر شعر الگ اکائی ہوتا ہے۔ غزل کے ہر شعر کا الگ مفہوم ہو سکتا ہے۔ جو سوز و گداز غزل کا لازم ہے وہ نظم کا نہیں ہے اور جو بخوبی لفظی نظم میں ممکن ہے، وہ غزل میں نہیں۔

سرگرمیاں

- ۱۔ طلبہ باری باری یہ حمد تخت نظم پڑھیں۔
- ۲۔ خوش الحان طلبہ یہ حمد تخت سے پڑھیں۔
- ۳۔ اس حمد میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں، انھیں جملوں میں ایک چارٹ پر خوش خط لکھیں اور اسے جماعت کے کمرے میں آؤزیں کریں۔
- ۴۔ کسی اور معروف شاعر کی حمد تلاش کر کے کاپی میں لکھیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کو حمد یہ شاعری کی روایت سے آگاہ کرنا اور بتانا کہ اردو زبان کی ابتداء حمد پر شاعری کی بھی ابتداء ہو گئی تھی۔
- ۲۔ طلبہ کو حمد، نعمت اور منقبت کا فرق بتایا جائے۔
- ۳۔ شاعر نے شعروں میں قرآنی آیات کا ذکر کیا ہے۔ کائنات کے پیدا کرنے، گُنْ فِیْكُونَ، دلوں کے بھید جانے غرض ہر شعر میں ایک آیت کا حوالہ موجود ہے۔ آپ یہ آیات طلبہ کو سنا کیں۔
- ۴۔ حمد کو تخت سے پڑھوانے کا اہتمام کیا جائے تاکہ بچوں میں عقیدت و احترام کے علاوہ ذوقی جماليات بھی پیدا ہو۔



احسان دانش

(۱۹۸۲ء-۱۹۱۳ء)

احسان الحق نام اور دانش تخلص تھا۔ احسان دانش کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ کاندھلہ، ضلع مظفرنگر (بیوپی) میں پیدا ہوئے۔ والد کی مالی حالت ناگفتہ تھی۔ عربی اور فارسی حافظ محمد مصطفیٰ سے پڑھی۔ سکول میں صرف چند بہاری عتیں پڑھ کے اور غربت کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ بچپن ہی سے محنت مزدوری کرنے لگے۔ مزدوری کرنے لاہور آئے تو اینٹیں ڈھونیں، معماري کی، چوکیداری کرتے رہے، چپراکی اور مالی بھی رہے۔ اس دوران میں لا جبرا یوں میں بھی جاتے رہے اور مطالعہ جاری رکھا۔ موزوں طبع تھے، شعر گوئی کا شوق بھی تھا، قاضی محمد ذکری کی صحبت ملی تو شعر کہنے لگے۔

احسان دانش قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کی شاعری مشرقی اقتدار کی آئینہ دار ہے۔ انھیں غزل اور نظم دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی مگر ان کی وجہہ شہرت ان کی نظمیں ہیں۔ ان کی نظمیوں میں جہاں عام آدمی کے دکھوں کا اظہار ملتا ہے، وہاں قدرتی مناظر کی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ انھیں مزدور شاعر کہا جاتا ہے۔

ان کی تصانیف میں حدیث زندگی، درد زندگی، نوانے کارگر، آتشِ خاموش، گورستان، زخم و مریم اور شیرازہ شامل ہیں۔ ان کی آپ بھی جہاں دانش بہت مقبول ہوئی۔

نعت

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلب کو نعت کے معانی سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلب میں حَقْ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ اجاگر کرنا۔
- ۳۔ طلب کو نعت سے، بطور ایک صفت خن، متعارف کرانا۔

دو عالم کا امدادگار آ گیا ہے امین آ گیا، غم گزار آ گیا ہے
 غریبوں کی جان کو، قیمتوں کے ذل کو سکون ہو گیا ہے، قرار آ گیا ہے
 اصول محبت ہے، پیغام جس کا دھوپ پروردگار آ گیا ہے
 اب انساں کو انساں کا عرفان ہو گا یقین ہو گیا، اعتبار آ گیا ہے
 مجھے کا نہ جس کا چراغِ محبت ذہن تغیر ذہن وقار آ گیا ہے
 زمانے کو اب اپنی منزل مبارک
 کہ اک خضر صدرہ گزار آ گیا ہے

(انتخابِ نعت چلد چشم، مؤلف: عبدالغفور قمر)

مشق

درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجیے:

(الف) نعت کے پہلے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کون سی صفات بیان کی گئی ہیں؟

(ب) دوسرے شعر کے مطابق کس کو سکون ملا ہے؟

(ج) انسان کو انسان کا عرفان ہونے سے کیا مراد ہے؟

(د) شاعر کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام کیا ہے؟

(ه) نعت کے آخری شعر میں خضر سے کون سی ہستی مراد ہے؟

۲۔ نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۳۔

متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:
 (الف) یہ نعت کس شاعر کا ہدیہ عقیدت ہے؟

- (i) حفیظ جالندھری
- (ii) احسان داش
- (iii) ناصر القادری

(ب) متن کے مطابق محبوب پروردگار کا پیغام کیا ہے؟

- (i) اصول محبت
- (ii) غم گساری و فریب نوازی
- (iii) امانت داری
- (iv) یہ سب درست ہے۔

(ج) اب انسان کو کس کا عرفان حاصل ہو گا؟

- (i) خدا تعالیٰ کا
- (ii) انسان کا
- (iii) کائنات کا
- (iv) ان سب کا

(د) زمانے کو منزل کے مبارک ہونے کی نوید کیوں دی گئی ہے؟

- (i) کامل رہنمائی آنے سے
- (ii) غم گسار کی آمد کی وجہ سے
- (iii) اکھڑ صدرہ گزار کی آمد کی وجہ سے
- (iv) ان سب کی

(ه) متغیر ذی وقار کے چراغِ محبت کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟

- (i) اس کی روشنی پہلی گی
- (ii) ہمیشہ روشن رہے گا
- (iii) بھی تھیں بجھے گا
- (iv) تمام حجاب درست ہیں۔

۴۔

درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیں:

عالم، سکون، عرفان، محبت، منزل

الفاظ کو جملوں میں استعمال کریں:

غم گسار، قرار، یقین، پیغام، ذی وقار

۵۔

درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیں:

اصول، اعتبار، چراغ، عرفان، رہ گزار

مناسب لفظ چن کر مصروع مکمل کریں:

(الف) بجھے گانہ جس کا محبت

(ب) ہو گیا ہے، قرار آگیا ہے

(ج) اب انسان کو انسان کا ہو گا

(د) کو اب اپنی منزل مبارک

۶۔

۷۔

- ۸ - نعت کے متن کو مد نظر رکھ کر کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیے:

کالم (ب)	کالم (الف)
پیغام	امدادگار
رہ گزار	اصولِ محبت
غم ٹسارت	یقین
عرفان	حضر
اعتبار	انسان

سرگرمیاں

- ۱۔ طلبہ میں نعت خوانی کا مقابلہ کرایا جائے۔
- ۲۔ ہر طالب علم اپنی پسند کا ایک ایک نعمتیہ شعر خوش خط لکھ کر اپنے استاد کو دکھائے۔
- ۳۔ نعت پڑھنے اور سننے کے آداب خوش خط لکھ کر جماعت کے کمرے میں آوزیں کیے جائیں۔
- ۴۔ چند اور یقین تلاش کریں اور جماعت کے کمرے میں دیگر طلبہ کو شاہین۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کو نعت پڑھنے اور سننے کے آداب بتائے جائیں۔
 - ۲۔ طلبہ کو ذہن نشین کرائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی نہیں، پڑھیں یا لکھیں تو درود پڑھنا لازم ہو جاتا ہے۔
 - ۳۔ چند بڑے نعت گوشہ را کا تعارف کرایا جائے۔
- طلبہ کو درج ذیل احادیث مبارک سنائی جائیں:
- الف۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر دسمتیں نازل فرماتا ہے۔
- ب۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تک کوئی مجھ پر درود بھیجا رہتا ہے، اس وقت تک فرشتے اس کے لیے ذمہ رحمت کرتے رہتے ہیں۔



حضرت



شاہد احمد دہلوی

(۱۹۰۶ء-۱۹۶۷ء)

شاہد احمد دہلوی دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ ڈپنڈنگ احمد دہلوی کے پوتے اور مولوی بشیر الدین احمد کے فرزند تھے۔ ۱۹۲۵ء میں انھوں نے ایف سی کالج لاہور سے ایف ایس سی کرنے کے بعد میڈیکل کالج میں داخلہ لیا لیکن شدید بیمار ہو گئے چنانچہ طبی تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بعد ازاں دہلی سے انگریزی ادبیات میں بی اے آئزز کیا۔ ایم اے فارسی کا امتحان بھی پاس کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد شاہد احمد دہلوی کراچی منتقل ہو گئے اور تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ انھوں نے انگریزی ادب سے ترجم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ پاکستان رائٹرز گلبلڈ کی تشکیل میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۲ء میں انھیں مجموعی ادبی خدمات کی بنیاد پر تماشہ اے حسن کا کردار گی سے نواز گیا۔

شاہد احمد دہلوی زبان و بیان پر کامل عبور رکھتے تھے۔ ان کی زبان آسان اور عام فہم ہے۔ وہ موسیقار بھی تھے لیکن اردو ادب ہی ان کی پیچان ہے۔

ڈاکٹر جیل جالبی کے مشورے پر انھوں نے خاک نگاری شروع کی۔ گنجینہ گوہر (جس سے زیر نظر خاک لیا گیا ہے) اور بزمِ خوش نفسان ان کے خاکوں کے مجموعے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی تصانیف میں اجزا ادیار، دلی کی بپتا اور دھان کے کھیت شامل ہیں۔

مرزا محمد سعید

مدرسی مقاصد

- ۱۔ دل کی تہذیب، خصوصاً مشکول طبقے کی معاشرت سے تعارف کرانا۔
- ۲۔ شاہزادہ بلوی کی شخصیت اور باحاورہ زبان کی خوبیوں سے طلبہ کو روشناس کرانا۔
- ۳۔ خاکہ نگاری کے اس نمونے کے ذریعے سے طلبہ کو تحریک دینا کہ وہ مزید خاکوں کا مطالعہ کریں۔
- ۴۔ طلبہ پر واضح کرنا کہ اہل علم حليم الطبع اور وضع دار ہوتے ہیں۔
- ۵۔ طلبہ کو علمی جالس اور اہلی دانش کے طور طریقوں سے روشناس کرانا۔
- ۶۔ نئے الفاظ اور تراکیب سے واقفیت دلانا۔
- ۷۔ خاکہ، جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کا تعارف کرانا۔

صحیح اخباروں میں یہ خبر پڑھ کر دل سے رہ گیا کہ پروفیسر مرزا محمد سعید کا آج سوئم ہے۔ خاموشی زندگی! خاموشی! موت! مرزا صاحب کی علاالتِ مزاج یا مرض الموت کی اطلاع اس سے پہلے کہیں سے نہیں ملی۔ حدیہ کہ پرسوں وہ رحلت فرمائے اور آن کے سیکلوں دوستوں اور قدردانوں کو اس سانحہ ارتھاں کی خبر تک نہ ہوئی۔ افسوس! اتنا بڑا صاحب کمال ہم میں سے اٹھ جائے اور اس کی سناوٹی ہم تک نہ پہنچے۔ کتنے بے خبر ہیں ہم لوگ! ازندہ تو مous کا یہ فرعانہ نہیں ہوتا کہ اپنے اہل کمال سے غافل ہو جائیں۔ اسی غفلت بھرمانہ ہوتی ہے۔ شاید یہ ہماری غفلت ہی کی سزا ہے کہ مرزا صاحب کو یوں ایکا ایکی ہم سے چھین لیا گیا۔

عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے۔ ابھی ہم کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ مرزا صاحب کے رخصت ہو جانے سے ہمارا کتنا بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ اب ان کی عدم موجودگی رہ کر ہمیں ان کی یاد دلائے گی اور وقت کے ساتھ ان کی جدائی کا گھاؤ بڑھتا چلا جائے گا۔ مرزا صاحب بہت ہی خاموش کام کرنے والوں میں سے تھے، یعنی اتنے خاموش کر خود ان کے زمانے کے اکثر لوگ بھی ان کے علمی اور ادبی کارناموں سے واقف نہیں ہوئے۔ دراصل خود مرزا صاحب شهرت سے گھبرا تھے اور پیلک پلیٹ فارم پر آنالپسند نہیں کرتے تھے، کام کرتے تھے تھی تماش کی تمنا اور صلی کی پرواسی بے نیاز ہو کر۔ کام کرتے تھے اپنی تسبیں کے لیے۔ کام کرتے تھے اس لیے کہ انھیں کام کرنا ہوتا تھا۔ فرمائی کام انھوں نے ساری عمر نہیں کیے۔ انھوں نے اب سے ۵۵ سال پہلے سر عبد القادر^① کے رسالے بخیزن میں مضامین لکھے، مگر شیخ صاحب کی فرمائش پر نہیں، بلکہ جب خود ان کا جی لکھنے کو چاہا۔

۱۔ شیخ عبد القادر، معروف ادیب اور علامہ محمد اقبال کے گھرے دوست تھے۔

مرزا صاحب کی کو خوش کرنے کے لیے نہیں لکھتے تھے۔ مرزا صاحب پیسے کے لیے بھی نہیں لکھتے تھے۔ پیسے کی تو انہوں نے بھی پردازیں کی، بلکہ پیسے کے ذکر پر وہ چو جاتے تھے اور انھیں منانا مشکل ہو جاتا تھا۔ لاہور کے اکثر پبلشروں نے مرزا صاحب سے کتابیں لکھوائی جائیں اور بڑی بڑی قسمیں پیش کیں مگر مرزا صاحب نے انھیں ایک لفظ بھی لکھ کر نہیں دیا اور جب انپا پہلا ناول یا سسمنیں لکھا تو اپنے ایک شاگرد پبلشر کو بے مزد دے دیا۔ اس کے کچھ عرصے سے بعد دوسرا ناول خوابِ ہستی لکھا۔ اسے بھی بغیر کچھ لیے دیے چھوادیا۔

ایک پبلشر صاحب لاہور سے ڈالی محض اس غرض سے آئے تھے کہ مرزا صاحب سے ناول لکھوائیں گے۔ میں نے انھیں سمجھایا کہ مرزا صاحب نہیں لکھیں گے، مگر وہ بڑے بڑے مصنفوں کو خرید چکے تھے، نہ مانے۔ بولے: ”ہم انھیں ایک ناول کا ایک ہزار روپیاءں گے تو وہ کیوں نہیں لکھیں گے؟“ یہ وہ زمانہ تھا کہ دوڑھائی سوروپے میں اچھا خاص ناول پبلشر کوں جاتا تھا چانچنا چے مجھے اپنے ساتھ لے کر مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے تعارف کرایا۔ مرزا صاحب کا ماتھا ٹھنکا۔ پبلشر صاحب نے چھوٹے ہی ناول لکھنے کی فرمائش کی۔ مرزا صاحب بڑے ٹھنڈے مزاج کے آدمی تھے۔ بولے: ”آپ میرے ناول کے پانچ ہزار بسے دیں گے، دس ہزار دے دیں گے، مجھے یہ منظور نہیں ہے کہ جو کام کر رہا ہوں، اُسے چھوڑ کر آپ کے لیے ناول لکھوں۔“ پانچ دس ہزار کی بات سن کر پبلشر صاحب کی سئی گم ہو گئی اور دو چار منٹ پہلو بدلت کر رخصت چاہی۔ مرزا صاحب اس زمانے میں اپنی معرب کتاب الارکتاب مذہب اور باطنیت لکھ رہے تھے، جسے مکمل ہونے کے بعد ان کے دوست پروفیسر تاجورنجیب آبادی^① ان سے لے گئے اور لاہور سے وہ کتاب شائع ہوئی۔ مرزا صاحب کا صرف یہی ایک علمی کارنامہ ہے، مگر ایسا کارنامہ کہ اردو کی اگر سو عمدہ کتابیں چھانٹی جائیں تو ان میں مذہب اور باطنیت کو ضرور شریک کرنا پڑے گا۔

مرزا صاحب ولی کے شرف کے ایک متول خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ تراہابیرم خان سے آگے بڑھ کر ایک راستہ سید ہے ہاتھ کو مزدوجاتا ہے، اسی کے ٹکڑا پر مرزا صاحب کا آبائی مکان تھا۔ اسی علاقے میں سرسید احمد خاں^② کا قدیم مکان بھی تھا۔ سرسید سے بھی مرزا صاحب کی عزیز داری تھی، اور منشی ذکاء اللہ^③ سے بھی ان کی قربت داری ہو گئی تھی۔ پچاس سال ساٹھ سال پہلے ولی کے مسلمان شرف فاماں انگریزی تعلیم کو اچھی نظر و سے نہیں دیکھا جاتا تھا، مگر سرسید نے مسلمانوں کے اس غلط نظر یہی کی، بہت کچھ اصلاح کر دی تھی۔ اسی زبانے میں ولی کے دو نوجوانوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے علمی حلقوں میں نمود حاصل کی۔ ایک پروفیسر مشتاق احمد زادہ تھا اور دوسرے پروفیسر مرزا محمد سعید۔ مرزا صاحب نے اس صدی کے آغاز میں لاہور کے گورنمنٹ کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے استادوں میں علامہ اقبال بھی تھے، جن سے ان کے مذاہنہ تعلقات آخر دم تک قائم رہے۔ انگریزی ادبیات میں ایک ای سند لینے کے بعد مرزا صاحب نے ۱۹۰۶ء میں سال دو سال تک اگر گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک ای سند لینے کے پروفیسر ہو گئے۔ پنجاب کے پیشتر اعلیٰ عہدے دار مرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ پطرس^④ اور تاج^⑤ نے بھی

تاجورنجیب آبادی نامور شاعر اور ادبیات کے عالم تھے۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ خاصاً سیئے تھا۔

۱۔ سرسید احمد خاں مسلمانوں میں جدید تعلیم کے فروغ کے علم بردار تھے۔ علی گڑھ میں ایم اے ایکان ٹائم کیا جوان کی وفات کے بعد یونیورسٹی بن گیا۔

۲۔ منشی ذکاء اللہ، سرسید احمد خاں کے قریبی دوست اور ساتھی تھے۔ تحقیق و تصنیف اور تراجم میں نام بیدا کیا۔

۳۔ پطرس بخاری اردو کے معروف اور بلند پایہ مزاج نگار۔ انگریزی ادبیات کے انتشار۔

۴۔ سید اقبال اعلیٰ تاج ادیب اور دوسرانوں میں تھے۔ اثار کلی ایں کام معرف ذرا مامہ۔

مرزا صاحب سے اکتساب علم کیا۔ بعد میں پھر خود انگریزی کے پروفیسر ہو گئے تھے، مگر انپی غیر معمولی قابلیت و ذہانت کے باوجود مرزا صاحب کی علمیت کے آگے اپنے آپ کو بیچ سمجھتے تھے۔ میں نے بارہا پھر کو مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے دیکھا ہے۔ پھر کوئی نے کسی اور کاتا ادب و احترام کرنے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ وائسرائے ہند کا بھی۔

پھر کے سلسلے میں دو ایک دل پھپ واقعات یاد آگئے۔ پھر آں انڈیا ریڈ یو کے ڈائریکٹر جزل ہو گئے تھے، مگر پرانے دوستوں سے رسم و رواہ میں ذرا بھی فرق نہ آنے پایا تھا۔ مرزا صاحب کو انھوں نے کسی نہ کسی طرح آمادہ کر لیا تھا کہ ریڈ یو سے کبھی تقریز نہ کریں۔ دو ایک تقریروں کے بعد مرزا صاحب نے کانٹریکٹ واپس کرنے شروع کر دیے۔ ہندہ ہندہ بات پھر تک پہنچی۔ حاضر ہو کر وجہ دریافت کی۔ مرزا صاحب نے فرمایا: ”تمھیں اصلاح دینے کے بعد مجھے یہ منظور نہیں کہ تمہارے شاگرد مجھے اصلاح دیں۔“ پھر نے بڑی مذدرت کی، مگر مرزا صاحب آئندہ نشر کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ اگلے دن دفتر میں قیامت آگئی۔ پورے انساف کو جمع کر کے انھوں نے براؤ کا شنک کے صن اخلاق پر ایک طویل لکھر دیا۔ بات توکل ہی گئی تھی۔ سٹیشن ڈائریکٹر نے تقریروں کے انچارج کو بلا کر کہا کہ: ”اگر انپی خیر چاہتے ہو تو مرزا صاحب کو منا کر لاؤ۔“ اس کو معلوم نہیں تھا کہ مرزا صاحب پھر کے استاد ہیں۔ حسب دستور انپی کارروائی دکھانے کے لیے اس نے ان کے مسودے میں سے دو ایک فقرے نکال دیے تھے۔ ان فقروں کا نکالنا اس کا نوکری سے نکالے جانے کا پیش خیمہ ہو گیا۔ بھاگا مرزا صاحب کی خدمت میں، معافی مانگی، ہاتھ جوڑے، مرزا صاحب نہ مانے، بولا: ”تو حضرت! میری نوکری گئی۔ بال بنچ بھوکے مریں گے اور آپ کو دعا میں دیں گے۔“ مرزا صاحب کے کان کھڑے ہوئے، بولے: ”یہ تو میں نہیں چاہتا۔“ اس نے کہا: ”اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو اس کا کانٹریکٹ پر دستخط کیجیے۔“ مرزا صاحب نے فوراً دستخط کر دیے۔

جنگ کے زمانے میں حسن اتفاق سے ولی میں لاہور کے بیشتر ادیب اور شاعر ریڈ یو میں یادوں سے سرکاری محکموں میں جمع ہو گئے تھے۔ پھر کی تحریک پر ایک محمد ودادی حلقہ قائم کیا گیا، جس میں ڈاکٹر تاشیر^۱، فیض احمد فیض^۲، حامد علی خاں^۳، حمید احمد خاں^۴، چراغ حسن حرث^۵، محمود نظامی^۶، غلام عباس^۷، انصار ناصری^۸ وغیرہ شریک کیے گئے تھے۔ ہر میںی اس کا ایک جلسہ ہوتا تھا، کبھی پھر کے گھر پر اور کبھی ڈاکٹر تاشیر کے گھر پر۔ اس میں ایک مقالہ کی ادبی موضوع پر پڑھا جاتا اور اس پر گفتگو

۱۔ ڈاکٹر تاشیر (پورا نام: محمد دین تاشیر) نامور ادیب اور فقاد تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے پہلی رہے۔

۲۔ فیض معرفت ترقی پسند شاعر تھے۔ زیادہ تر درس و تدریس اور صفات سے وابستہ رہے۔

۳۔ حامد علی خاں رسالہ ”احمدا“ کے بانی ایڈیٹر اور ادیب تھے۔

۴۔ حمید احمد خاں ادیب اور فقاد تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے پہلی اور بخوبی یونیورسٹی کے دائیں چانسلر رہے۔

۵۔ حرثت صحافی، ادیب اور مراجح نگار تھے۔

۶۔ محمود نظامی ادیب اور رہنماء تھے۔ نظر نامہ ان کا بلند پایہ سفر نامہ ہے۔

۷۔ غلام عباس کا شمار درد کے بہت اچھے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

۸۔ انصار ناصری ادیب اور براؤڈ کا ستر تھے۔

ہوتی۔ ایک جلسے میں محمود ناظمی نے مقالہ پڑھا۔ اس میں مرزا صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ ڈاکٹر تاشیر نے گفتگو کا آغاز کیا۔ پطرس خاموش رہے۔ مرزا صاحب سے درخواست کی گئی کہ کچھ فرمائیں۔ مرزا صاحب بحث مبارکہ کو ناپسند کرتے تھے، اس لیے بڑی محاذ طرائے دیتے تھے۔ انداز کچھ ایسا ہوتا تھا: ”نہیں یہ بات تو نہیں، مگر خیر ایسا بھی ہوتا ہے۔“ پطرس کو شوخی سمجھی۔ فیض کو اشارہ کیا۔ وہ مرزا صاحب سے زیادہ واقع نہیں تھے، بات کاٹ کر فوراً شروع ہو گئے۔ ”یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ روی تہذیب یونانی تہذیب کے بعد ابھری؟“ اتنا تو ان کا کہنا اور مرزا صاحب کا جلال میں آ جانا ”جی ہاں، میں یہ جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ.....“ پرانی تہذیبوں کی تاریخ کا ایک دریا تھا کہ اُنہاں اچلا آتا تھا۔ اس دن مجھے بھی اندازہ ہوا کہ مرزا صاحب کے سینے میں علم کی کتنی دولت بھری پڑی ہے۔ فیض پشمیانی سے باز بار مرزا صاحب کی طرف دیکھتے تھے۔ پطرس دل ہی دل میں ہنس رہے تھے کہ دیکھا سے کہتے ہیں علم کا سمندر۔ ہم سب دم بخود ساکت بیٹھے مرزا صاحب کو آنکھیں چھاڑے دیکھ رہے تھے۔ پطرس نے مرزا صاحب کے جلال کو ختم کرنے کے لیے فوراً چائے کا سامان رکھنا شروع کر دیا اور خدا خدا کر کے مرزا صاحب کا جلال درخت ہوا۔ مرزا صاحب گھنٹوں مطالعہ کرتے تھے۔ ان کے کتب خانے میں ہر علم کی کتاب موجود تھی۔ ملازمت درس و تدریس ہی کی تھی، اس لیے نئی سے نئی کتاب پڑھتے رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ”اگر میں اتنا مطالعہ کروں تو ان انگریز پروفیسروں کے آگے کیسے ٹھہر سکتا ہوں؟“ پشناہ لینے کے بعد بھی ان کا واحد مشغله مطالعہ کتب ہی رہا۔ ان کا یہ شغل اب تک جاری تھا۔ پشناہ کا بڑا حصہ کتابیں خریدنے میں صرف کر دیتے تھے۔

مرزا صاحب کی زندگی بڑی سیدھی سادی تھی۔ کمزوریاً شھاد باث سے کبھی نہیں رہے۔ گھر کی بواری ہم نے ان کے پاس کبھی نہیں دیکھی۔ معدن کے مریض تھے۔ پیدل زیادہ چلتے تھے۔ صبح ٹھہنے ضرور جاتے تھے۔ رات کو جلدی سو جاتے تھے۔ ٹھیل، تماشے، سینما، تھیٹر کچھ نہیں دیکھتے تھے۔ خدا کے فضل سے گھر کا آرام انھیں میر تھا۔ ان کی بیگم بھی ادبی ذوق رکھتی تھیں۔ دو ایک ناول ان کے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اولاد سعادت مند، یوں سلیقہ شعار، پشناہ اتنی کہ پڑھاپے میں کسی کی محتاجی نہیں۔ کھانا سادہ، لباس سادہ، رہن، کھن سادہ، پھر احتیاج ہو تو کس بات کی؟ قلب مُطْبَعَتَنَہ کی دولت سے مالا مال تھے۔

ریڈیو پاکستان کراچی سے ۱۲ سال پہلے ایک پروگرام ”داش کدہ“ شروع کیا گیا تھا، جس میں چار دلش ور بلائے جاتے تھے اور سنہ والوں کے سوالوں کے جواب فی الہیہ دیا کرتے تھے۔ میں میر سوالات کی خدمت انجام دیتا تھا۔ میں نے سوچا کہ مرزا صاحب اگر اس پروگرام میں شرکت فرماناً منظور کر لیں تو اس پروگرام کو چار چاند لگ جائیں چنانچہ میں مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ غرضِ مدد عاسن کر بیٹھم ہوئے۔ فرمایا: ”آدمی شہرت کے لیے کوئی کام کرتا ہے یا دولت کے لیے۔ مجھے نہ اس کی ضروت ہے، نہ اس کی۔“ میں نے قدری کر لی۔ مرزا صاحب نے میں سے مس نہ ہوئے۔ مرزا صاحب بہت قادرے قرینے کے آدمی تھے، جو کہ دیتے، اس سے نہ بھرتے۔

قیام پاکستان سے پہلے جب مسلم لیگ نے زور پکڑا تو مرزا صاحب نے سیاست میں بھی حصہ لیا۔ شروع کر دیا اور صوبائی

مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے اور مسلم لیگ کا دنسل کے ممبر بھی پختے گئے۔ کراچی یونیورسٹی قائم ہوئی تو اس کے مشیر مقرر ہوئے اور جب پاکستانی ادیبوں کا گلڈن ۱۹۵۹ء میں بنایا گیا تو مرزا صاحب ہی نے اس کے پہلے اجلاس کی صدارت فرمائی۔

مرزا صاحب بظاہر علیل نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اکابر اذیل، اجلار لیگ، کشاور پیشانی، گھنی ہنودوں کے سامنے میں بھی بڑی روش آنکھیں، رخساروں کی بہیاں ابھری ہوئیں، کتر والوں مونچھیں، ہنستے تو سامنے کے دوچار دانت نوٹے ہوئے نظر آتے، بگرہے نہ لگتے تھے۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ دھان پان سے آدمی تھے۔ ۳۰ء میں جب میں نے انھیں پہلی دفعہ دیکھا تو ان کی عمر ۲۲-۲۵ سال کی تھی۔ ۶۲ء میں جب وہ ۶۷ سال کے تھے، تب بھی وہ دیے کے دینے ہی تھے۔ انھیں زمانے کا شکوہ یا صحت کی شکایت کرتے کبھی نہیں سن۔ انہیں کرباتیں کرتے رہتے تھے۔ سنا ہے کہ وہی کے جن دوچارنوں جوانوں نے سب سے پہلے سوٹ پہننا شروع کیا، ان میں سب سے نیس سوٹ مرزا صاحب ہی کا ہوتا تھا، مگر میں نے پچھلے ۳۲ سال میں انھیں ہمیشہ شیر و انہی پہنے دیکھا۔ انگریزی ان کا اوڑھنا پچھونا مگر رعب گانختے کے لیے بھی انگریزی میں بات نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کی گفتگو میں انگریزی کے الفاظ بالکل نہیں آنے پاتے تھے۔ چالیس سال کی عمر کے بعد ہی ان کے دونوں ہاتھوں میں رعشہ آگیا تھا، اس لیے لکھنے میں انھیں زحمت ہوتی تھی۔ خوش اخلاق اور خوش مزاج آدمی تھے مگر زیادہ دوست بنانے کے قابل نہیں تھے۔ آپ بھلے اور اپنا گھر بھلا۔

موت برحق ہے۔ مرناب کو ہے مگر مرنے میں فرق ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے خاصی عمر پائی مگر ان کی وفات کا صدمہ اس لیے زیادہ ہے کہ ایسے قابل، ایسے شریف اور ایسے وضع دار لوگ زمانہ بپیدا نہیں کرے گا۔ افسوس کہ پروفیسر مرزا محمد سعید اب وہاں ہیں، جہاں ہماری نیک آرزوئیں رہتی ہیں۔ ایسی جانشی العلوم سنتی سے محروم ہونے کا نہیں جتنا بھی غم ہو، کم ہے:

اب کہاں لوگ اس طبیعت کے!

(گنجینہ گوہر)



مشق

ا۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجیے:

(الف) مرزا محمد سعید کس لیے لکھتے تھے؟

(ب) لاہور کے پبلشروں کے ساتھ مرزا صاحب کا رویہ کیا تھا؟

(ج) مرزا صاحب کی معزکتہ الارا کتاب کا نام اور مرتبہ بیان کیجیے۔

(د) مرزا صاحب کی کن دو قومی شخصیات سے عزیز داری تھی؟

(ه) مرزا صاحب نے کس کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیے؟

(و) مرزا صاحب کا سب سے بڑا مشغله کیا تھا؟

(ز) مصنف کے پروگرام ”دانش کردا“ میں شرکت کی درخواست پر مرزا صاحب نے کیا جواب دیا؟

(ج) مرز احمد سعید کا حلیہ بیان کیجیے۔

(ط) مرا صاحب کے دونوں ناولوں کے نام تحریر کریں۔

۲۔ پطرس بخاری سے مرزا صاحب کے تعلق کو ایسے الفاظ میں پیان کیجئے۔

۳۔ ”علم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے۔“ اس جملے کا مفہوم وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔

۳۔ متن کی روشنی میں درست جواب یہ نشان (✓) لگائیے:

(الف) سبق ”مرزا محمد سعید“ کس ادیب کی تحریر ہے؟

(i) نذر احمد ہلوی (ii) شاپر احمد ہلوی

(iii) اشرف صبوحی (iv) مولوی عبدالحق

(ب) مرزا محمد سعید کی عزیز داری کس شخصیت سے تھی؟

(i) سرستاد احمد خاں (ii) شیخ عبدالقدار

(iii) شاہد احمد ذہلوی (iv) مشتاق احمد زاہدی

(ج) مرزا محمد سعید کے بقول انسان کس لیے کام کرتا ہے؟

شہرت (i) دولت (ii)

(iii) عزت اور وقار (iv) شہرت اور دولت

(د) مرتضیٰ محمد سعید نے گورنمنٹ کالج لاہور سے کون سی سندی؟

(i) بی۔ اے (ii) ایم۔ اے تاریخ

(iii) ایم۔ اے انگریزی ادب (iv) ایم۔ اے اردو ادب

حمدونظامی کے مقالے کے بعد مرحوم احمد سعید پرس نے تنقید کی؟

(i) ڈاکٹر تاشم فزیل
(ii) پطرس بخاری

(iii) سید احمد یوسف (iv) حمید احمد خاں

(و) پروگرامِ داکس لدہ میں لئے دستور بلائے جائے رہے؟

چار (i) میں (ii)

سات (iv) ” (iii)

(ج) مرا صاحب پشن کا براحتہ صرف کر دیتے تھے:

(i) جائیداد خریدنے پر خیرات کرنے میں (ii)

(iii) کتابوں پر (iv) کھانے پینے پر

۵

درج ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت جملوں میں استعمال کے ذریعے سمجھیے:

سانحہ ارتحال، سناوی، ایکا یکی، بے مزد، متول، قربت داری، یقین بھنا، شدہ شدہ، کمزور، قلب مطہر، عرضِ مددِ عاء، متبسم، راعش، جامع العلوم۔

۶

درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر، ان کا تلفظ واضح سمجھیے:

ارتحال، شعار، متول، ساکت، مباحثہ، متبسم، قدری، رعشہ

سبق "مرزا محمد سعید" کا متن ذہن میں رکھ کر درست یا غلط پر نشان (۷) لگائیں:

(الف) مرزا محمد سعید کی موت کی خبر پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا۔ درست/غلط

(ب) مرزا صاحب پیک پلیٹ فارم پر آنے سے گھبرا تھیں تھے۔ درست/غلط

(ج) مرزا صاحب بڑے ٹھنڈے مزان کے آدمی تھے۔ درست/غلط

(د) مرزا صاحب جو کہ دیتے اس سے کبھی نہ پھرتے۔ درست/غلط

(ه) مرزا محمد سعید دل سے مریض تھے۔ درست/غلط

جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ:

۱

جملہ اسمیہ

جملہ اسمیہ جملہ خبریہ کی قسم ہے، اس کے تین اجزاء ہوتے ہیں۔ ذیل کے جملوں کو پڑھیے:

۱۔ علی بہادر ہے۔

۲۔ سارہ لاٹن ہے۔

۳۔ صہیب خوش ہے۔

ان جملوں میں علی، سارہ اور صہیب کو "مسند الیہ" (مہدا) کہتے ہیں اور بہادر، لاٹن اور خوش "مسند" (خبر) ہیں جب کہ "ہے، فعلی ناقص ہے۔

۲

جملہ فعلیہ

جملہ فعلیہ بھی جملہ خبریہ کی قسم ہے۔ اس میں اور جملہ اسمیہ میں اختلاف ہے کہ جملہ فعلیہ میں فعلی تام ہوتا ہے۔ اب ذیل

کے جملوں کو پڑھیے:

۱۔ حمید نے خط لکھا۔

۲۔ فریحہ نے خیرات ذی۔

۳۔ شعیب نے کھانا کھایا۔

ان جملوں میں حمید، فریحہ اور شعیب ”سدالیہ“ ہیں اور لکھا، دی اور کھایا فعلِ تمام یا ”مند“ ہیں۔ یہ خبر دے رہے ہیں۔
خط، خبرات اور لکھانا منقول ہیں۔

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ کسی جملے میں کسی کے بارے میں کچھ کہا جائے تو وہ خبر ہوتی ہے اور اسے مند کہتے ہیں۔
جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ خبر کے بغیر درست نہیں ہوتے۔

خاک

کسی شخص کی زندگی کے کچھ پہلوؤں کو اس طرح نمایاں کرنا کہ اس کا تعارف بھی ہو جائے مگر وہ اس کی سوانح نہ ہو، خاکہ کھلاتا ہے۔ خاکے میں اس شخص کے افکار و کردار، خوبیوں اور خامیوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اردو میں مولوی عبدالحق، رشید احمد صدقی، شاہد احمد دہلوی اور محمد طفیل نے عمدہ خاکے لکھے ہیں۔

سرگرمیاں

- ۱۔ سبق سے محادرات الگ کریں اور ان کو جملوں میں استعمال کریں۔
- ۲۔ مرزا محمد سعید کی شخصی خوبیوں پر ایک پیر اگراف لکھیں۔
- ۳۔ اس سبق میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے، ان میں سے کسی ایک کے بارے میں استاد سے پوچھ کر نوٹ لکھیں۔
- ۴۔ کسی دوست کا مختصر خاکہ لکھیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ چند مثالیں دے کر وہی کی مخصوص زبان سے طلبہ کو روشناس کرایا جائے۔
- ۲۔ طلبہ کو مرزا فخر حلت اللہ بیک کی تحریر ”مولوی نذری احمد کی کہانی“ اور شاہد احمد دہلوی کا لکھا ہوا خاکہ ”نذری احمد دہلوی“ پڑھ کر سنایا جائے۔ یہ خاکے نصابی کتابوں میں دستیاب ہیں، اس سے طلبہ کی کردار سازی میں مدد و ملتی ہے اور صرف ادب سے بھی اچھی طرح واقعیت ہو جاتی ہے۔
- ۳۔ طلبہ کو گاہے گاہے مشاہیر سے واقعیت دلائی جائے۔



ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

(۱۹۱۲ء - ۲۰۰۵ء)

جل پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں انہیں اسلامیہ ہائی سکول جل پور سے نویں مجماعت پاس کر کے علی گڑھ چلے گئے۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایل ایل بی، ایم اے اردو، ایم اے فارسی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۳۷ء میں پی ایچ ڈی (اردو) کیا۔ ناگ پور یونیورسٹی سے ۱۹۵۹ء میں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ عملی زندگی کا آغاز کنگ ایڈورڈ کالج امریقتی سے بطور یونیورسٹی کیا۔ پاکستان بننے کے بعد اردو کالج کراچی سے وابستہ ہوئے۔ سندھ یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو کے طور پر خدمات انجام دیں۔ انھیں ستارہ امتیاز، نووش ایوارڈ، اقبال ایوارڈ اور نشان پاس ملا۔

انھوں نے مذہب، پاکستانیات، ادب، تصوف اور اخلاق جیسے موضوعات پر کھا۔ ان کی تحریریں زیادہ تر معزز و مفترس ہوتی ہیں۔ عام قارئین کے لیے لکھے گئے مفہایں و کتب کی زبان سادہ، سلیمانی اور عام فہم ہے۔ انھوں نے اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں میں سو سے زیادہ کتب تصنیف کیں۔ ان کی کتب میں سید حسن غزنوی، حیات اور کارنامے، سراج البیان، اقبال اور قرآن اور تنقید و تحقیق اہم ہیں۔

نظریہ پاکستان

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ کو نظریہ پاکستان کے مفہوم سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو پاکستان کی تشكیل کے مقاصد سے واقفیت دلانا۔
- ۳۔ طلبہ کو تشكیل پاکستان میں حصہ لینے والی اہم شخصیات کے کارناموں سے روشناس کرانا۔

مسلمانوں نے ہمیشہ راداری کو اپنا شیوه بنایا ہے لیکن جب کفر والوں اور غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلمان اس کے مقابلے کے لیے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بادشاہ اکبر کی بے جا راداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل خل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر راجح ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خوداں کے دینی معاملات میں بھی ختم ہو گئی۔ چنانچہ اکبر کے آخری دور میں اسلام کی سر بلندی کے لیے حضرت مجدد الف ثانی^۱ کھڑے ہوئے۔ آپ نے جہانگیر کے زمانے میں محض دین کی خاطر قید و بند کی تھیاں جھیلیں اور اسلامی قدوں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ ان کے اثر سے شاہ جہاں اور اس کے بعد اس کا بیٹا اور نگزیب، دین کا خادم بنا لیکن اور نگزیب کے بعد ہی اس کے بیٹوں کے باہمی نفاق اور کمزوری کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ مرہٹوں اور ہندوؤں کے کئی گروہوں نے سراہیا۔ انگریزوں نے اپنے قدم جمائے اور ملک میں انتشار پھیل گیا لیکن ایسے گزرے حالات میں بھی قوم کو فروغ دینے اور اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے کوششیں جاری رہیں۔ چنانچہ میسور کے سلطان حیدر علی اور اس کے بیٹے سلطان شیخون نے صرف ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا بلکہ افغانستان، ترکی اور پھر فرانس کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہیں دیا اور انھیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی^۲ اور ان کے صاحبوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کی تحریک شروع کی۔ پھر ان کے پوتے شاہ سلمانعلی^۳ نے اپنے مرشد سید احمد بریلوی^۴ کے ساتھ اسلامی اصولوں کو دوبارہ راجح کرنے اور ملک کو غلامی سے آزاد کرنے کی کوشش میں ۱۸۳۱ء میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ تاہم انھوں نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش اور ولہ پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جگہ آزادی میں مسلمانوں نے پھر اپنے قدم جانے کی کوشش کی لیکن انگریزی اقتدار مسحکم ہو چکا تھا، اس لیے انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ اس زمانے میں سر سید نے جبور انگریزوں سے مفاہمت کو غنیمت جانا اور مسلمان

۱۔ مجدد الف ثانی (۱۶۲۳ء - ۱۶۴۰ء) تنشیبدی سلطنت کی اہم شخصیت

۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۶۰۳ء - ۱۶۴۰ء) عالم دین، محدث، مصلح

قوم کی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح پر توجہ دی اور ان کے دلوں سے احساں مکتري کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ ۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور ظاہریہ کیا کہ وہ ملک کی تمام قوموں کو ان کے حقوق دلوائیں گے لیکن بعد میں پتا چلا کہ وہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو ان کے کاروبار سے محروم کرنے کی کوشش کی اور وہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قابض ہو گئے۔ نیز انہوں نے مسلمانوں کی مشترکہ زبان اردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کر دیا۔ سر سید نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی کانگریس اور ان کی سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور ان کے ایک دوست مولانا محمد قاسم نے دیوبند میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ پھر سر سید کے ایک رفیق نواب وقار الملک نے ۱۹۰۶ء میں گل ہند مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی ایک الگ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم ڈھاکے میں قائم ہوئی تھی، جہاں ہندوؤں نے سازش کر کے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مشرقی بھگال اور آسام کا وہ صوبہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ختم کر دیا۔ ۱۹۱۱ء میں اسی علاقے کو پھر بھگال میں شامل کر دیا۔

اسی زمانے میں پہلی جنگِ عظیم^۱ چھڑ گئی جس میں انگریز کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمان چوں کرتی کی سلطان کو جزا کی خدمت کرنے کی وجہ سے خلیفہ اسلام بھخت تھے، اس لیے انہوں نے مالی اور طبی امداد ہم پہنچائی، جس کی وجہ سے حکومت برطانیہ کو مسلمانوں سے عناد پیدا ہو گیا لیکن انہوں نے یہاں کے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ اگر ہم کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوگی تو ہم کسی طرح بھی ترکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ وعدہ محض فریب تھا، چنان چہ جب انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر گئے اور انہوں نے ترکی^۲ کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یہاں کے مسلمانوں کو اس فریب کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچی اور انہوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی^۳ کی رہنمائی میں تحریک خلافت شروع کی۔ اس زمانے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے ہدھی کی تحریک شروع کی اور ان کو ختم کرنے کے لیے سنگھن کی تحریک بھی شروع کی پھر ۱۹۲۸ء میں کانگریس نے جو نہبر پورٹ شائع کی، اس میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ نمائندگی کا اصول، جو وہ بارہ سال پہلے تسلیم کر چکی تھی، بالکل نظر انداز کر دیا۔ پھر تو مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا اور انھیں یقین ہو گیا کہ چوں کہ ان کا دین، ان کی تہذیب اور ان کی معاشرت سب کچھ غیر مسلموں سے مختلف ہے، اس لیے کسی حالت میں ہندوؤں سے تعاون نہیں ہو سکتا۔ چنان چہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے ال آباد والے اجلاس میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز پیش کی۔ چار سال کے بعد جب قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی صدارت کا مستقل طور پر عہدہ قبول کیا تو انہوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر کار ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو انہوں نے لاہور کے اجلاس میں واضح طور پر اعلان کر دیا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی

۱۔ جنگِ عظیم اول (۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۱۹ء میں ختم ہوئی)

۲۔ مراد خلافت عثیانیہ ہے

اکثریت ہے، وہاں ایک آزاد مسلم ریاست قائم کی جائے۔ اس اعلان کو ”قراردادِ پاکستان“ کہتے ہیں، جس کی رو سے مسلمانوں کی آزادی اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو بنیادیں ہیں: ایک وہ جو مغربی مفکرین نے قائم کی ہے۔ دوسری وہ جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کی ہوئی ہے۔ اہل مغرب نے خاندانی، نسلی اور قبائلی بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیت کی بنیادیں جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس نظریے کی وجہ سے دنیا کے انسانوں کے درمیان تباہی کا جو دروازہ کھلا، وہ دو عالمی جنگوں کے ہونے سے بخوبی ظاہر ہے۔ یہ وطنی قومیت ہی کی بنیاد پر لڑی گئی تھیں اور یہ وطنی قومیت جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو تحفظ دینے میں تبالکل ہی ناکام تھی، کیونکہ جنوبی ایشیا کے مسلمان اس نظریے کے تحت ایک مجبور اقلیت بن جاتے۔

قومیت کی دوسری بنیادوں ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملتِ اسلامیہ کی تشکیل کرتے وقت قائم فرمائی اور جو مغرب کے تصور قومیت سے بخدا ہے، جیسا کہ علامہ اقبال نے بھی فرمایا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی
ان کی معنیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے منحصر ہے معنیتِ تری

مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا الہ الا اللہ پر قائم ہے، یعنی یہ کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے اور اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملت کہا گرہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو، جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی خطوں کے لوگ شامل تھے، ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر جو منظور نہ تھا جو اسلامی قومیت کے بر عکس ذات پات، مخصوصاً چھات اور بست پرستی کے بندھنوں میں جگڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی جدا گانہ قومیت یعنی اسلامی قومیت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک جدا وطن کا مطالبہ کیا، جس میں وہ اپنے عقیدے، اپنے نظریہ زندگی، اپنے طرزِ معاشرت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے دورِ جدید کے چیزوں کا مقابلہ کرے اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

ہمیں اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نظریہ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدروں کا تصور بنیا

حیثیت رکتا ہے۔ انہوں نے، مساوات، عدل، دیانت، خدا تری، انسانی ہمدردی اور عظمت کرواز کے بغیر نظریہ پاکستان کو فروع غنیمیں ہو سکتا۔ نظریہ پاکستان کا مقصد محض ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیونکہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیا اور افریقہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریہ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی ترویج و اشاعت اور اہلی عالم کے لیے مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔

پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو بہت ناگوارگزرا۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ یہ مملکت قائم نہ ہونے پائے۔ ان کے پاس دولت اور طاقت تھی۔ جنوبی ایشیا میں ان کی اکثریت تھی لیکن چوں کہ قیام پاکستان کا مطالبہ تھا اور انصاف پر تھی تھا اس لیے حکومت برطانیہ کو مجبور ہونا پڑا اور قائد اعظم محمد علی جناح کی پر خلوص قیادت، مسلمانوں کے یقین، اتحاد اور عمل پیغم کی وجہ سے ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک بڑی ترقی کی ہے اور اس کا شاردنیا کے اہم ملکوں میں ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اور زیادہ ترقی کرے اور ہمیشہ ترقی کرے تو ہمیں نظریہ پاکستان کو ہر وقت پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ اس کی بدولت ہم پاکستان کو زیادہ مسٹحکم اور شاندار بنائے ہیں۔

نظریہ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا ہے۔ ہمیں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے، جس کی وجہ سے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ ہمارا جینا اور مرنا پاکستان کے لیے ہونا چاہیے۔ قوی مفاد کے سامنے ذاتی مفاد کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ ہر قسم کی گروہ بندی سے بالاتر ہو کر تمام پاکستانیوں کی فلاح و بہبود کی کوشش کرنا نظریہ پاکستان کو فروع دینا ہے۔ اگر ہم نے نظریہ پاکستان کو پیش نظر رکھا اور اپنی سیرت اور کردار کو اس کے مطابق ڈھانے کی کوشش کی تو دنیا کی دوسری قوموں میں بھی ہمیں انتیاز حاصل ہو گا اور ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں پاکستان کو تو نا، مسٹحکم، شاندار اور پُر عظمت بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوں گے، ان شاء اللہ۔

مشق

درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجیے:

(الف) مسلمانوں کو اپنے دینی معاملات میں اپنی آزادی کب ختم ہوتی نظر آتی؟

(ب) سلطان شیخوپی جدو جہد میں کیوں کامیاب نہ ہو سکا؟

(ج) تحریک غافت کیوں شروع کی گئی؟

(د) علامہ اقبال نے مسلمانوں کے لیے الگ ملن کا مطالبہ کب اور کہاں کیا؟

(و) اہل مغرب نے قومیت کی بنیاد کس پر رکھی ہے؟

(ز) مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کیا ہے؟

(ح) نظریہ پاکستان کا مقصد کیا ہے؟

(ج) مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے مقاصد کیا ہے؟

درج ذیل الفاظ و مترتبات کو جملوں میں استعمال کریں:-

کفر والخاد، نفاق، ولولہ، مسکونم، زک، خود مختار، محنتیت، اخوت، عمل پیغم، فلاح و بہبود

سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سبق کے متن کے پیش نظر درج ذیل میں سے درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:-

(الف) سبق کے مصنف کا نام کیا ہے؟

(i) ڈاکٹر سید عبداللہ (ii) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (iii) سر سید احمد خاں (iv) جمیل الدین عالیٰ

(ب) اکبر کے دور میں دین کی سر بلندی کے لیے کس نے سختیاں جھیلیں؟

(i) حضرت مجدد الف ثانی (ii) شاہ ولی اللہ (iii) سید احمد بریلوی (iv) شاہ اسماعیل شہید

(ج) سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کب شہید ہوئے؟

(i) ۱۸۲۱ء میں (ii) ۱۸۳۱ء میں (iii) ۱۸۴۱ء میں (iv) ۱۸۵۷ء میں

(د) کاغذیں کب قائم ہوئی؟

(i) ۱۸۸۵ء میں (ii) ۱۸۸۶ء میں (iii) ۱۸۹۵ء میں (iv) ۱۹۰۶ء میں

(ه) مسلم ایگ کس نے قائم کی؟

(i) سر سید احمد خاں (ii) نواب محسن الملک (iii) قادر اعظم (iv) نواب وقار الملک

(و) مصنف نے دنیا میں قومیت کی تخلیل کی کتنی بنیادیں بتائی ہیں؟

(i) ایک (ii) دو (iii) چار (iv) آٹھ

سبق کے متن کو ذہن میں رکھ کر درست اور غلط پر نشان (✓) لگائیں:-

(الف) مسلمان کفر والخاد کا غالبہ ہوتے دیکھ کر آٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ درست / غلط

(ب) شاہ اسماعیل، سید احمد بریلوی کے مرشد تھے۔ درست / غلط

- (ج) سرسید نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو غیرمیت جانا۔
- (د) پہلی بھیک عظیم میں ترکی نے انگریز کا ساتھ دیا۔
- (ه) ترکی کو فقصان نہ پہچانے کا وعدہ فریب ثابت ہوا۔
- (و) مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد مغرب کے تصور قومیت سے مختلف ہے۔
- درست / غلط
- درست / غلط
- درست / غلط
- درست / غلط
- کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے یکی ہے:

کالم (ب)	کالم (الف)
شہادت شاہ امیلیں	۱۹۳۰ء
اسلامی زندگی	کا گنریں
اللہ آباد	مسلم ایگ
۱۸۸۵ء	۱۸۳۱ء
۱۹۰۶ء	نظریہ پاکستان

- ۷ سبق میں مذکور شخصیات میں سے کسی ایک شخصیت پر منصونٹ لکھیں۔

☆☆☆

سرگرمیاں

- ۱۔ مشاہیر تحریک پاکستان کا تصوری چارٹ بنا کر جماعت کے کمرے میں آؤزیں کریں۔
- ۲۔ قیام پاکستان کے مقاصد کی ایک فہرست بنائیں اور جماعت کے کمرے میں دیگر طلبہ کو سائیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ پر دوقومی نظریے کا پس منظرو واضح کیا جائے۔
- ۲۔ تحریک پاکستان کے قائدین کے کارناموں سے طلبہ کو مطلع کریں۔
- ۳۔ قومیت کی بنیادیں کیا ہوتی ہیں، طلبہ کو آگاہ کریں۔
- ۴۔ تشكیل پاکستان میں طلبہ کے کردار سے اپنے طلبہ کو آگاہ کریں۔

☆☆☆

اشرف صبوحی

(۱۹۹۰ء-۱۹۰۵ء)

اشرف صبوحی کا اصل نام سید ولی اشرف اور قلمی نام اشرف صبوحی تھا۔ آپ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۲۲ء میں انگلیکانیک ہائی سکول دہلی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ معروف ادیب شاہد احمد دہلوی ان کے ہم جماعت تھے۔ اشرف صبوحی ملکہ ڈاک و تار میں ملازم رہے۔ بعد میں آں انجیاری یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور آگئے۔ ۱۹۶۵ء میں ملازمت سے سنبک دوش ہو گئے اور ہمدرد دواخانہ کے شعبہ مطبوعات سے وابستگی اختیار کر لی۔

اشرف صبوحی ایک صاحب طرز ادیب تھے۔ اردو زبان خصوصاً دہلی کے مختلف طبقوں کی بول چال اور دہلی کے روزمرہ اور حادثے پر پوری گرفت رکھتے تھے۔ انہوں نے بچوں کے لیے کہانیوں کی درجن بھر کتابیں بھی لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں۔

ان کی تصانیف میں دلی کی چند عجیب ہستیاں، غبار کاروان، جھروکے، سلمی اور بن باسی دیوی شامل ہیں۔ اشرف صبوحی نے چند انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ بھی کیا۔

پرستان کی شہزادی

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ کو اردو کی معروف داستانوں اور ان کے مصنفوں سے روشناس کرانا۔
- ۲۔ دہلی کے روزمرہ اور حادروں سے مزید ان ایک نشر پارے کے ذریعے سے طلبہ کی لسانی صلاحیت میں اضافہ کرنا۔
- ۳۔ اشرف صبوحی کے دل گش اسلوب سے آگاہ کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو ڈو معنی الفاظ اور تشبیہ سے روشناس کرنا۔

سیدانی بی کا ایک وقت میں بڑا دور دورہ تھا۔ قلعے کی اچھی اچھی مغلانیاں ان کے سامنے کان پکڑنی تھیں۔ محاذات میں جہاں کوئی نیا جوڑ اسلام، کسی نئی وضع کی بُکائی کا ذکر ہوا اور یہ بلاقی گئیں۔ شہر کی بیگمات میں بھی ان کے بہتر کی دھاک تھی۔ سب انھیں آنکھوں پر بُھاتے تھے۔ آج پاکی چلی آ رہی ہے کہ بڑی سرکار نے بلایا ہے۔ کل ڈولی کھڑی ہوئی ہے کہ نواب سلطان جہاں بیگم نے یاد کیا ہے۔ نہ رات کو فرست تھی نہ دن کو خین۔ صبح کہیں مہمان پیں تو شام کو کہیں، لیکن رہے نام سائیں کا۔ بڑھا پا آیا، تو ہاتھ پاؤں نے جواب دے دیا۔ آنکھیں دھندا گئیں۔ اب کون پوچھتا؟ دنیا اور مطلب۔ مطلب نہ رہا، تو کیسی خاطرداری؟ ہمارے وقت کا کوئی ساقی نہیں۔ بے چاری کوکڑے کا سہارا دینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ جب بہت پریشان ہوئیں تو پڑوس میں ایک میر صاحب رہتے تھے، ان کی بیوی نے انھیں ترس کھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔

نانہ کہ یہ نہایت شریف گرانے کی بیٹی تھیں۔ مرہش گردی میں ان کا خاندان جاہ ہو گیا۔ بُرس دن کی بیاہی بیوہ ہو گئیں۔ اس زمانے میں دوسری شادی کرنے بڑا عیب سمجھا جاتا تھا۔ مغلانی کا پیش اختیار کر لیا اور اپنی بہرمندی کی بدولت رنڈا پا گزار دیا۔ جوانی توزعہ ت آبرو سے کٹ گئی، خوب کیا، ہزاروں روپے انعام میں لیے، مگر رکھنا نہ جانا۔ ذل کی حاتم اور طبیعت کی نرم تھیں اور پرانے شریفوں میں ایک یہی عیب ہوتا ہے کہ وہ وقت کی قدر نہیں کرتے۔ خدا کی بے نیازی کو بھول جاتے ہیں۔ بنے ہوئے زمانے میں بگڑنے کا خیال بھی نہیں آتا۔ جانتے ہیں کہ یہی لہر بہر رہے گی۔ سیدانی بی بھی جوانی بھراں غلط فہمی کا شکار رہیں۔ بڑھاپے نے آن دبایا۔ طاقتیں دغا دے گئیں، تو آنکھیں گھملیں اور دوسروں کے سہارے پر زندگی کے اندر ہیرے دن پورے کرنے پڑے۔

میر صاحب کے گھر والے چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب کے سب انتہا سے زیادہ خوش مزاج اور خدا ترس تھے۔ ہر ایک سیدانی بی کو خدا کا بھیجا ہوا مہمان سمجھ کر ان کے سامنے بچھا جاتا تھا۔ سیدانی بی دو چار دن توڑا غمگین اور شرمندہ شرمندہ کی رہیں،

پھر ان کا بھی دل کھل گیا اور اس طرح رہنے لگیں جیسے اپنے کنبے میں۔ ہاتھ کا نپتے تھے، نگاہ موٹی ہو گئی تھی، سوئی کانا کا مشکل سے سوچتا تھا لیکن ساری عمر محنت کر کے کھایا تھا۔ پرانی روٹی مفت کیسے کھا سکتی تھیں؟ صبح نماز پڑھ کر بچوں کو لے بیٹھیں۔ قرآن شریف پڑھاتیں، بصیرتیں کیا کرتیں۔ دو پھر کو سینا، پرونا اور کاڑھنا سکھاتیں۔ شام ہوتی تو باور پچی خانے میں جا کر کھانا پکانے کی ترکیبیں جاتیں۔ عشا کی نماز سے فارغ ہو کر بڑے مزرے کی کہانیاں سناتیں۔ کہانیاں ایسی اچھی ہوتیں کہ بڑے بھی آجاتے۔ میر صاحب اور ان کی بیوی، دینوں خوش تھے کہ سیدانی بی کو بچوں کی تربیت کے لیے خدا نے بصیرت دیا۔ ایسی شریف، نماز روزہ کی پابند، ہر مند استانی صرف روپیوں پر کہاں میر آتی ہے؟ بچے ایسے گرویدہ ہوئے کہ دن زات سیدانی بی کے پاس بیٹھے رہتے۔

مشہور تھا کہ سیدانی بی پرستان میں بھی ہوا تی ہیں۔ وہاں کے بادشاہ نے انھیں اپنی بیٹی کا جہیزا نکلنے کے لیے بلا یا تھا اور انھوں نے وہاں کئی دن رہ کر بڑے بڑے تماشے دیکھے ہیں۔ گھر والوں کو یہ خبر تھی، لیکن کبھی خیال نہیں آیا کہ سیدانی بی سے پوچھتے تو کیا بی، سچ تھی تم پرستان گئی ہو؟ شباب اس محاراجہ کا، تم کوڈر نہیں لگا؟

ایک دن سردیوں کی رات تھی۔ دلانوں کے پردے پڑے ہوئے تھے، بچوں نے بچے لامفوں میں ڈکے اور بڑے لڑکے، لڑکیاں انگیٹھی کے چاروں طرف بیٹھے کہانی سن رہے تھے، اتنے میں میر صاحب کی بیوی نماز وظیفے سے فارغ ہو کر آئیں۔ اتفاق سے کہانی بھی انہاشہزادی کی تھی۔ جب یہ ذکر آیا کہ کاغذے دیوکی جو شہزادی پر نظر پڑی تو سوتی کو پلنگ سمیت اڑا کر لے گیا، کہنے لگیں：“سیدانی بی! یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تمہیں بھی پرستان کے بادشاہ کا کوئی آدمی پرستان لے گیا تھا اور تم وہاں سے بڑا انعام و اکرام لائی تمہیں، کیا یہ سچ ہے؟”

سیدانی：“ہاں بیوی، ہے تو سچ، بلکہ کئی دفعہ جنوب اور پریوں نے مجھے بلا یا ہے۔”

میر صاحب کی بیوی：“اوی! اور تم بے دھڑک چلی گئیں؟”

سیدانی：“پہلی دفعہ تو مجھے دھوکے سے لے گئے تھے۔ راستے میں جب بھید کھلا تو بہتری ڈری، لیکن کیا کرتی، دل کو مضبوط کر لیا۔ اللہ کو یاد کرتی ہوئی چلی گئی۔ نہ جاتی یا روئی پیٹھی تو جانے کیا آفت آتی۔ اس کے بعد جب گئی، بھی خوشی گئی اور بھی خوشی آتی۔ بیگم! صدقے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، اس پر ایمان رکھنے والے کا کہیں بال بیکا نہیں ہوا۔ پرستان میں بھی میری وہ خاطریں ہوتیں کہ کیا کہوں۔”

میر صاحب کی بیوی：“کچھ بھی سہی بوا۔ میر اقوٰ پھٹ جاتا۔ صورت دیکھتے ہی جان کھل جاتی۔”

سیدانی：“نہیں بی۔ پہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ ڈر کی باوقول سے ڈر لگا کرتا ہے۔ جہاں ڈر سامنے آیا پھر کچھ بھی نہیں۔ دیکھو، بیماری سے لوگ کہتا بھاگتے ہیں اور جب بڑے سے بڑا کہ بھی آ جاتا ہے تو سہنا ہی پڑتا ہے۔”

میر صاحب کی بیوی：“تمہیں تو پھر کہوں گی کہ تم کو شباباً ہے۔ صدر حمت اس پر جس نے تمہیں دودھ پلایا۔ اچھا ہمیں بھی

تو سناؤ کہ کیا ہوا تھا۔ کیوں گئی تھیں؟ پرستان کی سامنک ہے؟ وہاں کیا کیا دیکھا؟“

سیدانی: ”وہ قصہ یاد آتا ہے، تو کلیج پر سانپ لوٹنے لگتا ہے۔ پرستان کی شہزادی جس کے جوڑے تائکنے گئی تھی، بہت سر ہوئی۔ دوسری پریوں نے بھی متین کیس کہ سیدانی اماں، یہیں رہ جاؤ۔ دنیا میں اب تمھارا کون ہے؟ مگر متین نے ایک نہ مانی۔ مجھ بدنصیب کو تو اپنے جیسے انسانوں کی بے مرد تیاں دیکھنی تھیں، پرستان میں کیوں بستی؟ وہ تو الٰہ نے تمھارے دل میں رحم ڈال دیا جو گورگڑھے کاٹھ کانا ہو گیا، ورنہ تیرے میرے دروں کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی۔“

میر صاحب کی پیوی: ”سیدانی بی! سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بندے میں کیا طاقت ہے کہ بھوکے کو دے یا پہیث بھرے سے چھینے؟ ہر ایک اپنی تقدیر کا کھاتا ہے۔ ہماری کیا اصل کہ کسی کے ساتھ سلوک کریں۔ وہ زبردستی ہم سے تمھاری خدمت کرا رہا ہے۔“

سیدانی: ”خیر، اب تم کو اپنی بیٹی کہانی سناؤں۔ بیگم یہ وہ دن تھے کہ نوابِ عظیم الدّولہ بہادر کی اکلوتی بیٹی کے بیاہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ مار امار جوڑے سل رہے تھے۔ اذل اذل تو مجھے رات دن وہیں رہنا پڑا۔ کام ہلکا ہو گیا تو دن کو چلی جاتی اور شام کو اپنے گھر چلی آتی۔ ایک روز جیسے بچے مکتب سے بھاگتے ہیں، میرا بھی جانے کو جی نہیں چاہا اور کئی جگہ سے بُلا دے آئے، نہ کسی۔ شاید جمعہ تھا۔ کتنے ہی دن نہائے کو ہو گئے تھے۔ خوب نہائی، شام ہو گئی۔ بوٹ پلاو مجھے خوب بھاتا ہے۔ ماما سے بوٹ پلاو پکوایا۔ تھکی تھکائی لیٹی تھی۔ اتنے میں جھٹ پا ہو گیا۔ پلاو دم پر تھا کہ باہر سے کسی نے آواز دی: ”سیدانی بی کو سر کارنے یاد کیا ہے۔ پیس بیٹھی ہے، جس طرح بیٹھی ہو، اسی طرح فوراً چلی آؤ۔“

میں بڑے بخود سے جایا کرتی تھی۔ ایسے بے وقت اور اپنے بھاؤں کی پکوائی ہوئی چیز چھوڑ کر کھرے ہو جانا میری عادت کے بالکل خلاف تھا، لیکن ہونے والی بات، میں نے ذرا انکار نہ کیا اور جیسی بیٹھی تھی، سفید چادر سر پر ڈال، سورا ہو گئی۔

نواب صاحب کا محل میرے گھر سے کوئی دو آنے ڈولی ہو گا۔ قاضی واڑے سے نکلے اور خانم کا بازار آیا۔ پہلے تو مجھے کچھ خیال نہ ہوا۔ جب بہت دری ہو گئی اور ہوش پجوکی آواز نہ آئی، بازار کے چراغ بھی جھلکتے ہوئے دکھائی نہ دیے، تو پردے کی جھری کھولی۔ اب جو دیکھتی ہوں، تو جنگل سائیں سائیں کر رہا ہے اور پیس کو جیسے پیسے لگے ہوئے ہیں، اُڑی چلی جا رہی ہے۔ لیکن جدھک سے ہو گیا۔ بدن میں سنسنیاں آنے لگیں۔ ہاتھ پاؤں بھٹدے پڑ گئے کہ یہ کیا غصب ہوا۔ یہ موئے کھار کھاں لیے جاتے ہیں؟ اس جنگل میں کون سی سرکار ہے؟ لیکن مرتا کیا نہ کرتا، دل کڑا کر کے میں نے اپنی آواز نکالی اور پوچھا: ”اے کم بختو! منہ سے تو پھولو، مجھے کھاں لے جاؤ گے؟ اسے وہ تمھاری کون سی ستیا ناہی سرکار ہے؟“

نہستے ہوئے کسی نے جواب دیا: ”سیدانی بی، خفا کیوں ہوتی ہو۔ بادشاہ سلامت نے بلایا ہے، کوئی دم میں محلات دکھائی بیتے ہیں۔“

ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی پاکی کے پاس بول رہا ہے۔ منہ نکال کر جو دیکھا تو بیگم کیا کہوں، ایک بے چاکی شکل کا آدمی تھا۔ بکرے کا سامنہ، گھوڑے کی سی ٹانگیں اور پاکی آپ ہی آپ چلی جاتی تھی۔ نہ کہا رتھے نہ کہا ریا۔ اب توڑ کے مارے میرا دم گھٹھنے لگا۔ آنکھیں بند کر لیں اور کلمہ پڑھنے لگی۔ ذہیر ہو کر رہ گئی۔ منٹ دو منٹ کے بعد پھر ہمت کی کہ اول مرنا، آخر مرنا پھر منے سے کہی ڈرنا اور لکار کر بولی: ”ارے جواں مرگ، تو کون ہے جن یا محوت؟ یاد رکھ میں سیدانی ہوں۔ مجھ کو بتا، نہیں تو جل کر راکھ ہو جائے گا۔ جھلا جا ہتا ہے تو مجھے یہیں اُتار دے۔“

اس نے کہا: ”سیدانی بی! گھبراؤ نہیں۔ ہم اور ہمارا بادشاہ سیدوں کو بہت مانتے ہیں۔ خاطر جمع رکھو، کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہماری شہزادی کی شادی ہے۔ کپڑے سی کر چلی آنا۔ جتنا مانگوگی، انعام ملے گا۔ لو دیکھو، وہ سامنے ہمارے بادشاہ کا محل ہے۔“ بڑی مشکل سے ڈرتے ڈرتے آنکھیں چھاڑ کر دیکھا، تو واقعی پاکی ایک عالی شان دروازے پر رکھی تھی۔ روشنی ایسی تھی کہ دن معلوم ہوتا تھا۔ سوئی، گر پڑے، تو انھا لو اور مزہ یہ کہ سورج تھانے چاند، نہ فانوس کہیں نظر آتے تھے لا لاثین۔ چوب دار، باری دار مرد ہیں، ادھر کے ادھر، ادھر کے ادھر دوڑ رہے تھے۔ آسمان پر سے عجب عجب طرح کے باجوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ تماشاد کیکھ کر میں ساری مصیبت بھول گئی۔ میں جیران تھی کہ یہ کس بادشاہ کا محل ہے؟ یہ گھما گھما تو ہمارے بادشاہ کے ہاں بھی نہیں ہوتی۔ قصے کہانیوں میں جیسی پریوں کا ذکر تھا ہے، ایسی ایک پری، شانوں پر بال بکھرے ہوئے، بازوؤں پر پری، میرے پاس آئی اور میں آواز میں بولی: ”سیدانی بی، بڑی راہ دکھائی۔ ہمارے بادشاہ اور بادشاہ بیگم کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ آؤ چلو میں تم کو محل کے اندر لے چلوں۔“

میں پاکی سے اتری اور چادر کو چھپی طرح اُڑھاں پری کے ساتھ ساتھ چلی۔ کیا کہوں، اندر کیا بہار تھی۔ ہزاروں پریاں گورے گورے رنگ، ٹوٹا ساقد، زرق برق کپڑے، بنتی، چھمیں کرتی، اہلی گھبھی پھر رہی تھیں۔ چمن ایسا کہ نہ دیکھانے سنا۔ ہر درخت کا تنا چاندی کا، سونے کی شاخیں زمرہ دکے کپٹے، پھلوں کی جگہ کہیں لعل لٹک رہے تھے، کہیں نیلم، کہیں پکھراج۔ پھلوں پر یہ عالم تھا جیسے ہیرے چمک رہے ہوں۔ کلیاں تھیں کہ ضر احی دار موئی۔ خوش بُو سے دماغ مہکا جاتا تھا۔ حوضوں کا پانی اللہ اللہ! چاندی کے ورق بکھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ فواروں میں سے موتیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔

چلتے چلتے ایک بارہ دری میں پہنچے۔ بارہ دری کی سجاوٹ کیا بیان کروں۔ قلعے کے دربار کھی دیکھے ہیں، مگر اس جیسا سام آج تک نظر بے نہیں گزرا۔ سیکڑوں سرخ، بنز، نیلی، زرد، اودی، سفید کر سیاں بچھی تھیں۔ رنگ برنگ کے بلور کی تھیں یا کسی اور چیز کی، ایسی شفاف کر آر پارٹا گزر جاتی تھی اور ان پر خیں حسین پری زاد جگھا تے لباس پہنے بڑے ٹھستے سے بیٹھے تھے۔ بیچ میں ایک نمکیرے کے نیچے ایک بڑے یا قوت کے تحت پر، جس میں ہیرے اور پنے کی پچی کاری کا کام تھا، بادشاہ اور بادشاہ بیگم عجیب شان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ بادشاہ بیگم کے پہلو میں ایک لڑکی کوئی چودہ پندرہ برس کی، چھروہ جیسے چودھویں رات کا چاند، ژلفیں کھلی ہوئی۔

کئی رنگ کے پر اور ایسے چک دار کہ آنکھ نہیں شہرتی تھی، سر پر نیم تاج رکھے بیٹھی تھی اور تنہوں کی پوشائیں ایک رنگ کی ہوں، تو بتاؤ۔ گھر میں چار چار رنگ بدلتی تھیں۔

مئیں آگے تو بڑھ رہی تھی، مگر ہاتھ پاؤں کا پر ہے تھے۔ ڈرے نہیں، جیرانی سے کہ یا اللہ، یہ کون لوگ ہیں امیں جاگ رہی ہوں یا خواب میں یہ پرستان کی سیر ہے، اور اگر جا گتے میں کوئی پری یاد یوں مجھے بیہاں اڑالا یا ہے، تو دیکھیے گھر اتنا جانا بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ اسی سوچ میں تخت کے پاس پہنچ گئی۔ بادشاہ میری گھبراہٹ دیکھ کر مسکرائے اور بادشاہ بیگم نے مجھ سے کہا: ”آؤ! سیدانی بی آؤ! مراج تواچھا ہے؟ مئیں نے سنائے کہ راستے میں تم بہت ڈریں۔“

مئیں بولی: ”حضور کو دعا دیتی ہوں اور حضور دُرنا کیسا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے مدد کی۔ نہیں تو جان نکلنے میں کسر ہی کیا رہی تھی۔“ صدقہ مولا کے نام پر۔ بادشاہ اور سارے درباری سروقد کھڑے ہو گئے اور بادشاہ فرمانے لگے: ”سیدانی بی! تم جانتی ہو، ہمارے ہاں اس نام کی کتنی عزت ہے۔“

مئیں نے دل میں خدا کاشکرا دیا کہ جو کچھ بھی ہو، یہ لوگ ہیں مسلمان اور اب کسی بات کا ڈر نہیں۔ بادشاہ بیگم: ”ہم کو انہنگار نہ کرو، ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولیں: بیٹھ جاؤ۔ ہاں تم ڈری کیوں تھیں؟“ مئیں نے کہا: ”سرکار، ڈرنے کی بات کیوں نہ تھی؟ ایک اکیلی، دوسرے سنسان جنگل، پھر جو میرے ساتھ تھا، اس کی صورت ایسی ڈراؤنی تھی کہ میرے اوسان جاتے رہے۔“

یہ سن کر شہزادی خوب نہیں اور بولی: ”اماں بیگم، بکر گدھانوں اپر اشیر ہے۔ اس نے کہیں اپنی شکل دکھادی ہوگی۔“ اب میرے پیٹ میں پھر ہول اٹھنے لگے کہیں یہ ساری صورتیں بھی نقلی نہ ہوں اور یوں لائوا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ بادشاہ بیگم سمجھ گئیں کہ شہزادی کی باتوں سے سیدانی کے دل میں ہماری صورتوں کی طرف سے کچھ فہم ہو گیا ہے۔ وہ مسکرا کر بولیں:

”سیدانی بی! ڈر نہیں، ہماری سب کی شکلیں اصلی ہیں، بلکہ پری زادوں کی ساری ایسی ہی خوب صورت شکلیں ہیں جیسی تم دیکھ رہی ہو۔ میری لڑکی سمیل پری نے جس کا ذکر کیا، وہ جن ہے اور جن البتہ وضع وضع کی شکلوں کے ہوتے ہیں۔ خاطر جمع رکھو، تمہارے سامنے کوئی جس یا دیگری صورت بنا کر نہیں آئے گا۔“

اتنمیں کھانوں کے خوان اُترنے لگے۔ خاصہ چٹا گیا۔ کھانا کیا تھا، اللہ کی قدرت کا کرش۔ ایک ایک بالشت کے پودے چکاوں، پھولوں سے لدے ہوئے سامنے تھے۔ خوشبو کی لپیٹیں آرہی تھیں، مگر مئیں کھاتی کیا؟ نہ کسی قسم کی روٹی تھی نہ سالم، نہ لاؤ تھانہ زردہ۔ ہمابھا ایک ایک کامنہ دیکھ رہی تھی کہ بادشاہ بیگم مسکرا کر بولیں: ”سیدانی بی! دیکھتی کیا ہو، کھاتی کیوں نہیں؟ یہ پرستان کا کھانا ہے۔ تم مہماں ہو، ہاتھ بڑھاؤ تو اور بھی کھائیں۔“ مئیں نے کہا: ”سرکار کوئی کھانے کی چیز ہو تو کھاؤں، یہ تو گنوڑے

درخت ہیں اور ان میں جو پھل بھول لگے ہیں، وہ بھی اللہ مارے جج کے نہیں دکھائی دیتے۔ ”شہزادی الحڑ نے میرے اس کہنے ایک فرمائی قہقہہ لگایا اور کہنے لگی: ”سیدانی بی! جیسا سنا تھا کہ آدم زاد بڑا بھولا ہوتا ہے، تھیں ویسا ہی پایا۔ تم نہم اللہ کر کے کوئی پھل توڑا اور کھاؤ تو جس کھانے کا دل میں خیال کرو گی، وہی مزہ آئے گا۔“

”بیگم یقین مانو ایک زرد زرد جو پھل توڑ کر میں نے منہ میں رکھا، کیا کہوں ولی میں تو کسی نے ایسے ذاتے کا بیٹھ پلاو کھایا ہو گا۔“

میر صاحب کی بیوی: ”بوٹ پلاو جو گھر میں چھوڑ کر گئی تھیں وہی پہلے یاد آیا۔“

بڑی بڑی کی: ”قلعے میں تو آپ بہت جایا کرتی ہیں۔ کیا وہاں بھی بھی ایسے مزے کا پلاو نہیں کھایا؟“

سیدانی: ”حسینی بادشاہ کے خاص رکاب دار کے ہاتھ کے بڑے بڑے تعریفی کھانے میں میں مرتبہ کھائے ہوں گے،“
بیوی! وہ بُ باس، وہ آب و نمک ہی کچھ اور تھا۔ ہاں تو بہن، بس پھر کیا تھا، جو جو کھانے کھائے تھے بلکہ جن کا نام ہی سنا تھا، ان کا خدا
کرتی گئی اور اللہ تیری شان، وہی مزہ آتا گیا۔ اچھے کی بات تھی کہ جب ایک بچل توڑتی، دوسرا اس کی جگہ فراؤ نکل آتا۔ پھلوڑ
کلیوں کو جو چکھا، مٹھا یاں تھیں۔ ایسی ایسی نفیس، بلکی خوش ذات تھے کہ ہر نواں میں روح تازہ ہوتی چل گئی۔ پیاس معلوم ہوئی، تو پانی
خیال آتے ہی یا قوت کا گلاس خود بخود آکر منہ سے لگ گیا۔ یا قوت کا گلاس اور ایسا بحباب کا کہ باہر سے پانی جھم جھم کرتا دکھائی
تھا۔ ڈر کے مارے میں نے زور سے ہونٹ بھی نہیں سکھنے کہ کہیں کنارہ ٹوٹ کر منہ میں نہ پچھ جائے۔ اللہ اللہ! پانی کونہ پوچھو،
میٹھا، ایسا مُطر، ایسا سفید، پانی تو نہیں ہوتا۔ نہ جانے کیا چیز تھی۔ سب کے بعد میں نے سوچا کہ پتوں کو بھی دیکھنا چاہیے۔

ساتھ ہی پان کا بھی خیال آیا۔ میں پان آج بھی بہت کم کھاتی ہوں، لیکن کھانا کھا کر دو و وقت تو ضرور کھانے کی عادت۔
اب جو پتہ توڑتی ہوں، تو پان کی خوش بُ، بُنھ میں جو رکھا، تو یہ معلوم ہوا کہ عطر دان میں رکھی ہوئی گلوری کلے میں آئی۔ کہتے ہیں
محمد شاہ رنگیلہ کی کوکلابائی جیسا پان کھاتی تھی، لاں قلعے میں تو اس سے پہلے، نہ اس کے بعد کسی کو نصیب ہوا، مگر میں کہتی ہوں کہ اگر
پرستان کے اس پتے کو ایک دفعہ صرف سونگھ لیتی، تو ساری عمر سرہنخی رہتی۔ مٹک و غبر پڑے ہوئے کھتے اور پچھ موتیوں کے پتوں
پان بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے۔ جب سانس لیتی تھی، نئی سئی خوش بُ کی لپیٹیں آتی تھیں۔

اب بہن! بادشاہ بیگم نے جن کا نام زُمرہ دپری تھا، تو شہزادی والیوں کو حکم دیا کہ شہزادی کے کپڑے لاو۔ کشیوں
کشیاں، تھان پر تھان آنے لگے۔ کپڑوں اور گٹا کناری کو دیکھ کر میری تو عقل جاتی رہی۔ بڑی بڑی رانیوں، شہزادیوں کے جوڑ
دیکھے ہیں، نور بائی کی پوشواز بھی دیکھی ہے جس میں سیروں جواہرات لئے ہوئے تھے، لیکن ان کپڑوں سے کیا بنت۔ گھاڑیا
کپڑے، گھاڑیا پرستان کے۔ آنکھ نہیں نمہہ تھی تھی۔ ریشم اور سونے کے تاروں سے بنی ہوئی آب روائ، موتیوں سے لیسی ہوئی گلشیر
ایسا ہی کم خواب اور زریفت کو دیدنہ شفید۔ گٹا وہ کہ دنیا دیکھے اور اش اش کرے۔ رنگ رنگ کے جواہرات کی لڑیاں تھیں۔ ج

سامان آگیا، تو بادشاہ بیگم بولی: ”لو، بی سیدانی، اب تم اپنا ہنر دھاؤ۔ بہت تمہاری تعریف سنی ہے۔ ہم تو جب جانیں کہ پرستان میں بھی تحارانام ہو جائے۔“ میں دل میں تو بہت پریشان ہوئی کہ یا اللہ میں یہاں کیا کاری گری دکھاؤں گی۔ کون سی وضع ناگوئی کان کے لینے ہو، مگر زبان سے کہا: ”حضور! اللہ مالک ہے۔ وہی آبرور کئے والا ہے۔ صبح ہونے دیجیے، جو کچھ مجھے آتا ہے، حاضر ہوں۔“ وہ نہ کربولی: ”سیدانی بی، پرستان میں نہ دن ہوتا ہے نہ رات۔ ایک ہی موسم اور ایک ہی وقت رہتا ہے۔ تم جب چاہو کام شروع کر دو۔“ میں نے تجھ سے عرض کیا: ”تو کیا یہاں لوگ سوتے نہیں؟“ کہنے لگی: ”یہاں سونے کا کیا کام، نیند پرستان میں نہیں آتی۔ ہمارا مشغله تو آٹھوں پہر سیر پاٹے ہیں۔ پرستان سے جی اکتا یا تو دنیا والوں کے خوابوں میں چلتے گئے۔“

بہن میں نے دیکھا کہ واقعی نیند کا نام بھی آنکھوں میں نہیں۔ نہ پیٹ میں گرانی نہ سر بھاری، نہ انگڑایاں، نہ جما یاں۔ سوچا کہ دیر کیوں لگائی جائے۔ کرت بیونت کا سامان تو موجود ہی تھا۔ اللہ کا نام لے کر جوڑے کتر نے لگی اور اسی وقت سے سینے اور نہانے کا لگادیا۔ اوہر میں ایک طرف بیٹھی ہوئی اپنے کام میں مصروف تھی۔ اور نہانے گانے والی پریوں کے تخت اُتر رہے تھے۔ ایک سے ایک طرح دار، ایک سے ایک شوخ، اپنے فن میں اُستاد، نہ کافوں نے کبھی ایسا گانا شا تھا، نہ آنکھوں نے ایسے ناچ دیکھے تھے۔ آوازیں تھیں کہ جیسے کوئی مل کر کوئی، ناچ تھا کہ ہوا میں جیسے تیلیاں اُڑ رہی تھیں۔ کیا پوچھتی ہو بیگم! خدا کی قدرت کا تماشا تھا، لیکن مجھے تو اپنی فکر تھی کہ کہیں جلدی کام نپنے اور چھکا را پا کر گھر جاؤ۔ ذرا کی ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتی اور اپنی سوئی چلا نہ لگتی۔

اُس کی کار سازی کے قربان، صدقے مشکل گھٹا کے، عقل نے ایسا کام دیا اور پہلے ہی جوڑے میں واہ واہ گئی۔ شہزادی کا چہرہ بھی خوشی کے مارے پھول کی طرح کھل گیا۔ اب کیا تھا میرے ہاتھ پاؤں میں گھوڑے لگ گئے۔ دنوں کا کام گھٹیوں میں ہونے لگا۔ کہانی بہت لمبی ہے، کہاں تک کہوں جس کام کی آدمی دھن باندھ لے، وہ ہو، ہی جاتا ہے۔ آخر سارے جوڑے سل بھی گئے اور تک بھی گئے۔ کتنے دن لگے؟ یہ کون کہ سکتا ہے۔ وہاں دنوں کا حساب ہی نہ تھا۔ ہاں اگر یہاں اتنا کام کرتی، تو خدا جھوٹ نہ بلوائے، میرے ایک لیکے ہاتھ پر ایک سال سے کم نہ لگتا۔ اس حصے میں ساری پریاں خاص طور پر شہزادی مجھ سے بہت محبت کرنے لگی تھی۔ ”خالہ سیدانی“، ”خالہ سیدانی“ کہتے کہتے اس کا منہ سوکھتا تھا۔ گھنٹوں میرے پاس بیٹھی رہتی اور مجھ کو سوئی چلاتے دیکھا کرتی۔ تم جانو، پاس رہے کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ مجھے بھی اُس کی بھولی بھالی شکل پر پیار آتا تھا، مگر دل کو کیا کرتی یہ غورا تو یہاں پڑا ہوا تھا۔ گھر کی یاد چین نہیں لینے دیتی تھی۔ ہائے اپنا ہکھنڈا پرستان میں بھی نہیں بھولا۔

آخر جب سارا کام اُن کی مرضی کے مطابق ہو گیا، تو میں نے کہا: ”حضور! خدا نے مجھے سُرخ روکیا۔ مولا نے میری آبرو کھلی۔ سرکار کی شہزادی اور شہزادی کی شادی کو یہ جوڑے پہنچنے مبارک ہوں۔ اب کوئی کو زخمست کیجیے۔“ بادشاہ بیگم بولی: ”سیدانی بی، ہمارا جی چاہتا ہے کہ شہزادی کی شادی دیکھ کر جاؤ۔“ چک کہوں میرا جی بھر بھرایا مگر سوچا کہ سیدانی دیوانی ہوئی ہے؟ تو خاکی یہ آتشی زیادہ میں اچھا نہیں۔ ذرا سی دیر میں گزر بیٹھیں تو جلا کر خاک کر دیں۔ بھاڑ میں جائے پرستان اور پرستان کی شادی۔ چل

اپنے گھر میں اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: ”شہزادی کی شادی آپ کو جم نصیب ہو، مجھے تو جانے دیجیے۔“ یہ سن کر شہزادی کی آنکھوں میں آنسو بہر آئے۔ وہ بولی: ”سیدانی بی، تم کیوں جاتی ہو؟ ہمارا دل گروہتا ہے، نہ جاؤ یہیں رہو۔“ میرے لیکچے پر چوت سی لگی۔ بڑی شکل سے اپنے آپ کو سنبھال کر بولی: ”سیدانی تم پرداری، یہوی تم اپنا جی بھاری نہ کرو، تم بلاو گی تو سودفہ آؤں گی۔ ایکا کی دنیا نہیں چھوٹ سکتی۔ مئی مئی میں خوش رہتی ہے۔“ شہزادی تو کچھ خفا اور کچھ روشنی سی ہو کر اٹھ گئی۔ بادشاہ بیگم بولیں: ”لختا بی سیدانی، تھماری مرضی۔ جاؤ خدا حافظ۔“ اور اسی کلمو ہے کہ گدھے کو حکم دیا کہ سیدانی بی کو ان کے گھر پہنچا دے۔ ”خبردار! جوراتے میں کسی قسم کی شرارت کی اور دیکھو جو انعام و اکرام سیدانی بی کو بادشاہ نے دیا ہے، وہ سب پاکی میں رکھ لینا۔“

دل میں خوش اور ظاہر میں بسو رہی ہوئی سب سے رخصت ہوئی۔ وہی پری زاد جو مجھے پاکی سے اتنا کر لائی تھی، ساتھ لے کر چلی۔ چھانک کے باہر پاکی موجود تھی اور مردوں کی سی وضع کا آدمی پاس کھڑا تھا۔ مینیں پاکی میں پیٹھی اور دم کے ڈم میں پاکی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ پاکی میں پیٹھ کر مینیں نے ادھر ادھر دیکھا کہ وہ جو پرستان کے بادشاہ نے انعام و اکرام دیا ہے کہاں ہے، اندر ہیرے میں کیا نظر آتا۔ ہاتھوں سے ٹوٹانا شروع کیا۔ ایک کونے میں بہت سے کنکر پتھر معلوم ہوئے۔ جل گئی کہ موئے جات تھے نا، یہاں بھی دغا کیا۔ یاں کے گھر کا انعام اکرام ہے۔ خیر، جان بچی، لاکھوں پائے۔ خیریت سے گھر پہنچ جاؤں تو جانوں بڑا انعام پایا اور چپکے چپکے ایک ایک کر کے وہ کنکر اور پتھر پر دے کی جھری میں سے پھینکنے شروع کر دیے۔ قاعدہ ہے کہ خوشی میں راستہ جلدی کٹ جاتا ہے۔ آنکھ بند کرتے میں گھر آگیا۔ ڈیوڑھی میں پاکی رکھی گئی۔ چرا غ جل رہا تھا۔ پر وہ جو اٹا اور چرا غ کی جوت جو پڑی تو کیا رکھتی ہوں کہ جنہیں مینیں کنکر پتھر بھر رہی تھی، جواہرات ہیں۔ بڑے بڑے تو مینیں نے سب پھینک دیے تھے۔ دو چار نٹھے نٹھے سے باقی تھے۔ سر پیٹ لیا کہ اتنی دولت کھوئی۔ ٹگوڑی، پھینکنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسا ہی تھا، تو گھر آ کر پھینک دیتی، لیکن بہن! تقدیر کی کھوٹ کہاں جاتی ہے؟ نصیب میں تو پتھر بھی نہ تھے، ہیرے، لعل، زمرہ دیکوں ملتے؟ ایک ایک پیڑ من بن بھر کا ہو گیا۔ صرف چار ٹکینے رہ گئے تھے۔ وہی لے کر بڑی مشکل سے اتری۔ گھر میں جو پتھر تو بونٹ پلاو جیسا چھوڑ گئی تھی دیباں ہی دم پر لگا ہوا تھا۔ بڑی بی، پکانے والی، مغرب کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی۔ دعا مانگ چھین، تو انہوں نے پوچھا: ”بیگم کیا راستے میں سے اُلٹے پاؤں آگئیں، خیر تو ہے؟“ مینیں نے دل میں کہا: لیجیے، یک نہ مخد و مخد، پرستان میں خدا معلوم کرنے مہینے لگ گئے اور یہاں بھی چاولوں کو دم بھی نہیں آیا اور بڑی بی سے بولی: ”ہاں بی، بھوک لگی ہوئی تھی اور کچھ بھی بھیٹھیک نہ تھا۔ راستے ہی سے آگئی۔ اب

إن شاء الله كل جاؤں گی۔“

(دہلی کی چند عجیب ہستیاں)



مشق

- مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کیجئے:
- (الف) سیدانی بی نے گزرا واقعات کے لیے کون سا پیشہ اختیار کیا؟
 - (ب) میر صاحب اور ان کی بیوی سیدانی بی کی کس بات پر زیادہ خوش تھے؟
 - (ج) پرستان کے بادشاہ نے سیدانی بی کو کس کام کے لیے بلوایا تھا؟
 - (د) بادشاہ یہ گم کا اصلی نام کیا تھا؟
 - (ه) پرستان کے چلوں کی خاص بات کیا تھی؟
- ۱۔ سیدانی بی نے پرستان کا نذر کردہ دل چسب انداز میں کیا ہے۔ آپ اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ لکھیے۔
- ۲۔ متن کی روشنی میں درست جواب پر شتان (✓) گائیں:
- (الف) سبق ”پرستان کی شہزادی“ کس مصنف کی تحریر ہے؟
- | | |
|---------------------|----------------------|
| (i) شاہد احمد دہلوی | (ii) ہاجرہ مسرور |
| (iii) اشرف صبوحی | (iv) سجاد حیدر یلدزم |
- (ب) قلعہ کی بڑی بڑی مغلانیاں، سیدانی بی کے سامنے:
- | | |
|------------------------|---------------------|
| (i) کام کرتی تھیں | (ii) کھڑی رہتی تھیں |
| (iii) دم نہ مارتی تھیں | (iv) کان پکڑتی تھیں |
- (ج) پرستان کے بادشاہ نے سیدانی بی کو بلا یا تھا:
- | | |
|-------------------------------------|--|
| (i) بیٹی کا جھینپٹا نکلنے کو | (ii) انعام دینے کو |
| (iii) بیٹی کو سینا پر دنا سکھانے کو | (iv) بیٹی کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے |
- (د) سیدانی بی کو کھانے میں مرغوب تھا:
- | | |
|-------------|---------------|
| (i) زردہ | (ii) بوٹ پلاو |
| (iii) فیرنی | (iv) بریانی |

(۸) پرستان میں پھل دار پودے بڑے تھے:

(i) بالشت بھر (ii) چھٹے

(iii) ایک ایک فٹ (iv) گز بھر

(۹) پرستان سے سیدانی بی کو انعام میں کیا ملا؟

(i) روپیا پیسا (ii) کنکر پتھر

(iii) خلعت اور زیورات (iv) جواہرات

۲۔ مندرجہ ذیل حکایات کو جملوں میں استعمال کیجیے:

آنکھیں کھلانا، بال بیکا ہونا، کمیج پر سانپ لوٹنا، اوسان خطا ہونا، عقل جاتی رہنا

۵۔ کالم (الف) کا بلط کالم (ب) سے کریں:

کالم (ب)	کالم (الف)
خوش مزاج	مرہٹگردی
جن	میر صاحب
تبہی	انڈا شہزادی
دھاک	بکر گدھا
کانڑادیو	ہنر

۶۔ سبق کے مطابق درست لفظ کے ذریعے سے خالی جگہ پر کمیجی:

(الف) ایک وقت تھا کہ میں سیدانی بی کا برا مقام تھا۔ (قلعہ، محل، دربار)

(ب) سیدانی بی کو مغلانی کا پیشہ اختیار کرنا پڑا کیوں کہ

(اس کے والدین فوت ہو گئے، تجارت میں خسارہ ہو گیا، وہ بیوہ ہو گئیں)

(ج) اس نے کھاروں سے کہا: "کم بختو! من سے کچھ تو (کھو، پھوٹو، بولو)

(د) پرستان میں اسے لے کر گیا۔ (جن، پریزاد، فرشتہ)

(ه) بادشاہ نے اسے انعام میں دیے۔ (زیورات، جواہرات، ملبوسات)

ڈومنی الفاظ:

ایسے الفاظ کا املا تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن ان کے دو معنی ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض اوقات لفظ ایک معنی میں مذکور جب کہ دوسرے معنوں میں موئٹ ہوتا ہے۔

ذیل کے جملوں میں سے ڈومنی الفاظ الگ کر کے ان کے معانی لکھیے:

(الف) بارشوں سے آئینے کی آب جاتی رہی۔

(ب) سوات میں کون سی کان ہے؟

(ج) پادشاہ بیگم کے حعم پر شہزادی کے کپڑوں کے لیے تھان پر تھان آنے لگے۔

(د) حق بات کہنے کی پاداش میں وہ دار پر جھوول گیا۔

(ه) جہاں چاہ وہاں رہا۔

درج ذیل الفاظ کے مفہوم اور بیکھیے:

لطیف، شب، خشک، بھت، شیریں، نشیب، تریاق

- ۷ -

- ۸ -

تشییہ

علم بیان کی اصطلاح میں کسی چیز کو خاص و صفت کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے، جیسے:

۱۔ پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہے۔

۲۔ صہیب شیر کی مانند دلیر ہے۔

اس میں دو باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

جب ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دی جائے تو دونوں میں کسی مشترک صفت کا پایا جانا ضروری ہے، دوسری یہ کہ جس چیز سے تشبیہ دی جائے اس میں یہ خوبی یا صفت زیادہ ہو۔

تشبیہ کے پانچ اقسام ہیں:

۱۔ مشہہ: جس چیز کو دوسری چیز جیسا کہا جائے۔

۲۔ مشہہ پہ: جس چیز سے تشبیہ دی جائے۔

۳۔ وجہ مشہہ: وہ مشترک صفت جس کی وجہ سے ایک چیز کو دوسری چیز جیسا کہا جاتا ہے۔

- ۴۔ غرض تشبیہ: جس مقصد کے لیے تشبیہ دی جاتی ہے۔
- ۵۔ حرف تشبیہ: وہ الفاظ یا حروف جو تشبیہ دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً طرح، مانند، جیسا، جیسی سا وغیرہ۔

اوپر دی گئی دو مثالوں کے ارکان اس طرح ہیں:

حروف تشبیہ	غرض تشبیہ	وجہ شبہ	مشہبہ	مشہب
طرح	مٹھنڈا پن ظاہر کرنا	مٹھنڈک	برف	پانی
مانند	بہادری کا اظہار	بہادری	شیر	صہیب

سرکرمیاں

- ۱۔ سیدانی بی کا مختصر خاک لکھیں۔
- ۲۔ دس جملوں میں پرستان کی تصویر کشی کریں۔
- ۳۔ سیدانی بی نے پرستان کے چلوں کا ذکر کیا ہے، ان کی چند خوبیاں کا پی میں لکھیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کو داستان، ناول اور مختصر افسانے سے متعارف کرایا جائے۔
- ۲۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ مضمون ”پرستان کی شہزادی“ داستان ہے یا ناول، مختصر افسانہ ہے یا صحفہ نشر کی کوئی اور قسم ہے اور کیوں؟
- ۳۔ اشرف صبحی کے سوانحی حالات، طرز تحریر اور ان کی کہانیوں اور خاکوں پر مشتمل کتب سے متعارف کرایا جائے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

(۱۹۲۵ء - ۲۰۰۹ء)

ڈاکٹر وحید قریشی میانوالی میں پیدا ہوئے۔ اصل نام عبدالوحید تھا۔ والد محمد طیف قریشی محبمہ پولیس میں ملازم تھے۔ ان کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا، اس لیے ڈاکٹر صاحب کی سکول کی تعلیم مختلف شہروں میں ہوئی۔ ۱۹۳۳ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے آئز ۱۹۳۶ء میں اور بیتل کالج لاہور سے ایم اے فارسی کیا۔ بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے تاریخ، پی ایچ ڈی فارسی اور ڈی لٹ اردو کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ ۱۹۵۱ء میں انھوں نے اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں تاریخ کے پیغمبر اکرمؐ کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں تاریخ اور فارسی اور پنجاب یونیورسٹی اور بیتل کالج لاہور میں اردو کے استاد رہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں مختلف مناصب (صدرِ شعبہ اردو، پرنسپل اور بیتل کالج لاہور، ڈین کلیئر علوم شرقیہ اسلامیہ) پر بھی فائز رہے۔ ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۷ء تک مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد کے صدر نشین رہے۔ مختلف اوقات میں بطور اعزازی معتمد بزم اقبال لاہور، ناظم اقبال اکادمی پاکستان اور مہتمم مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی اردو اور فارسی زبان و ادب کے ایک اہم محقق اور فنادق تھے۔ ان کا زیادہ تر سماجیہ ادب تقدیمی کتب پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے لیکن ان کی بنیادی حیثیت محقق اور فنادکی ہے۔ ان کے علمی و ادبی کارناموں پر حکومت پاکستان نے انھیں تمغابراۓ حسن کا رکرداری اور صدارتی اقبال ایوارڈ عطا کیا۔

ان کی تصانیف میں اساسیات اقبال، نذر غالب، کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ، اقبال اور پاکستانی قومیت، مطالعہ ادبیات فارسی، پاکستان کی نظریاتی بنیادیں، مقالات تحقیق، تقدیمی مطالعہ، اردو نثر کے میلانات، مطالعہ حالی اور میر حسن اور ان کا زمانہ شامل ہیں۔

اُردو ادب میں عید الفطر

تدریسی مقاصد

- ۱۔ اردو ادب میں اسلامی تہواروں کا تعارف کرانا۔
- ۲۔ ڈاکٹر حیدر لیشی کے اسلوب سے آگاہ کرنا۔
- ۳۔ اسلامی تہذیب و تمدن، معاشرت اور رسم و رواج سے واقفیت دلانا۔
- ۴۔ طلبہ کو ادب پارے کی روشنی میں، مشاہدات کو بہتر انداز میں تحریر کرنا سکھانا۔
- ۵۔ طلبہ کو مضمون اور افسانے کی صرف سے آگاہ کرنا۔

اُردو کی غزلیہ شاعری میں عید، عید کا چاند، ہلال وابرو، محبوب سے روزِ عید کی ملاقاتیں اور اس کے متعلقات ہی اہم رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی جگ آزادی کے بعد جب اُردو شاعری کی حدود میں وسعت پیدا ہوئی اور نظموں کی طرف توجہ تیز ہو گئی تو عید کے موضوع میں بھی اشاراتی اور علمی امکانات زیادہ اُجادگر ہوئے اور اُردو شاعری کو ۱۸۵۷ء کے بعد ملنی احساسات کی ترجیحی کا وسیلہ بھی بنایا گیا اور اس طرح مسلمانوں کی فکری زندگی کے خط و خال نے اُردو ادب میں اسلامی اقدار و روایات کی پاسداری کے عمل کو شدید سے شدید تر کر دیا۔ عید الفطر پر نظموں کی کثرت کا سبب بھی یہی ہے اور شعر و ادب انے جب تخلیقی جوہر کے حوالے سے ان افکار کی پیش کش کا سامان فراہم کیا تو یہ موضوع کئی جھتوں میں پھیل گیا۔ عید کو محض خوش یا عید کے چاند کو محض سال میں ایک بار جھلک دکھا کر غائب ہونے کے حوالے سے دیکھنے کی بجائے اسے مسلمانوں کی تہذیبی اور فکری زندگی کے وسیع تر جغرافیہ سے ملا دیا گیا، جسے عید کے موضوعات میں نئی نئی باریکیاں پیدا کر کے اسے ادبی خوشی کے مطے جذبات تک لے گئے۔ گلدستہ عید میں موضوعات، صحیح عید گاہ میں ملاقات اور درون خانہ عید ملن تک محمد و نبیں رہے بلکہ جذبات کے وسیع تر رقبوں میں لا کر دکھایا گیا ہے۔ ”مسلمان فیشن ایبل خاتون کی ڈائری“ سے چل کر ”رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عید“، ”کواری بیٹی کی عید“، ”سہاگن کی عید“، ”بچوں اور بڑوں کی عید“، ”دوگانی عید“، ”ترکن ماما کی عید“، ”عید اور قرض“، ”عیدی“، ”گھر کی مالکہ کی عید“، ”رمضان اور خیرات“، ”تینیوں کی عید“ تک عید الفطر ہمیں متوسط طبقے اور غریب طبقے کے مسائل و حالات سے مسلک نظر آتی ہے۔ اس تمدنی پس منظر کے طفیل ایک وقت جذبہ یہ جان نہیں بلکہ ایک تہذیبی اکائی بن کر ہماری معاشرتی زندگی میں بہت دور تک جاتی ہے۔ اس وسعت پریسی سے موضوع کی جڑیں ہماری ادبی روایات میں پھیل گئی ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے دلی کی بربادی کے جزو ہے لکھے ہیں، ان میں دولت و عزت سے محروم ہونے والے شہزادوں اور شہزادیوں کی کس پریسی میں عید بسرا کرنے کا ذکر اہمیت رکھتا ہے۔ اس

روایت کا آغاز سید احمد خاں سے ہوتا ہے، جنہوں نے "مسلمانان ہند کی عید" کے عنوان سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی خامیوں کو بیان کرنے کے علاوہ، ان کی غربی کے نقشے بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ حسن ظایہ کے موضوعات میں "عظمت رفتہ کی یاد" عید کو علامتی حوالہ عطا کرتی ہے۔ "تیم شہزادے کی عید"؛ "عید کا واغری باش کوئے تو" دینی جذبے کی شدت اور مذہبی امور سے گہری وابستگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

ان نظرپاروں کے اثرات ہماری شعری روایات پر بھی پڑے ہیں۔ حالی کی نظم "تہذیب عید الفطر" میں خوشی کے جذبے کی عکاسی کے علاوہ عید کو مذہبی اقدار سے بھی ہم آہنگ کیا گیا ہے:

مہ صیام گیا اور روزِ عید آیا
خوشی کی عید کا حق ہر کوئی بجا لایا
کیا ہے فکرِ خداوند روزہ داروں نے
کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے بھر پایا

اقبال کے ہال عید صرف ہمیں خوش ہی نہیں کرتا، ہماری بھی بھی اڑاتا ہے۔ تیمیوں کی عید کے بارے میں بھی اقبال س رویتی کی عکاسی کرتے ہیں جس پر نظر ٹھاکر بھی خامہ فرمائی کرتے رہے ہیں۔ یادِ علما م اقبال "کو عید کے چاند کی تصویر کشی پر بجبور کرتی ہے اور وہ منظر کشی والے رجحان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں:

. اے مہ عید! بے حجاب ہے تو
. خُن خورشید کا جواب ہے تو
. تو کمندِ غزال شادی ہے
. لذتِ افزائے شور طفی ہے

مجموعی طور پر عید الفطر سے متعلق موضوعات ہماری شاعری کے بنیادی ریخ کو ظاہر کرتے ہیں:

ل: عید کے چاند کو مناظر کے حوالے سے بیان کرنے کا رجحان۔

م: عید کو اخلاقی صرعت اور خارجی حالات سے منسلک کرنے کا رویہ۔

م: ہال عید کو ملتی عزیزم کی علامت، ملت کے عروج و وزوال کی علامت اور تمدنی و تمدنی زندگی کی اساس کے طور پر قبول کرنے کا رجحان۔

خط جانداری:

چاند جب عید کا نظر آیا
حال کیا پوچھتے ہو خوشیوں کا

آسمان پر ہوائیاں چھوٹیں
نوبتیں مسجدوں میں بجتے لگیں
مکر سب خاص و عام کرنے لگے
اور باہم سلام کرنے لگے

عبدالجید سالک:

ہلالِ عید کی گردوں پر آمد آمد ہے
جو راحتِ نظرِ امتِ محمد ہے
ہزار مکر کہ مسلم ہیں شاد آج کے دن
بھی جہاں میں ہیں با مراد آج کے دن

طالب اللہ آبادی:

جو کچھ بھی ہو تو آج افرُض اپنا دکھا دے
روٹھے ہوئے مسلم جو ہیں ان سب کو منا دے
آپس میں جو دن رات کا جھگڑا ہے وہ مٹ جائے
اسلام میں جو تفرقہ پیدا ہے وہ مٹ جائے

اس روحان نے تخلیقی سطح پر ایک نئی سمت کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے موقع نہ ہو گا کہ عید کا تھے مسلمانوں کے ہاں محض تھوا رہنا نے اور اچھل کو کلچر بنانے پر مخصوص نہیں بلکہ اس خوشی کا رشتہ ہماری اقدار میں بہت ذور تک جاتا۔ جس سے عید کے بارے میں اردو شعرا کی تخلیقات کو ایک سمت ہی نہیں ملتی بلکہ ان کا تعلق ہمارے داخلی رویوں کے ساتھ اتنا گہرا کہ ہماری شعری روایت میں یہ عمل صرف یک طرفہ مناظر کشی تک جا کر فرم نہیں ہوتا۔ عید کی شاعری ہماری شعری روایات کا ایک اور ناقابلی فراموش حصہ ہے۔

(اردو نثر کے میلانات)

مشق

- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجیے:
- ۱۔ (الف) عید الفطر کا ہماری تہذیبی اور دینی زندگی سے کیا تعلق ہے؟
 - (ب) عید الفطر پر نظموں میں، شعراء کی باریکیاں پیدا کی ہیں؟
 - (ج) اس سبق کی روشنی میں اردو شعراء نے عید الفطر کے جن متعدد پہلوؤں پر اظہار خیال کیا ہے، ان میں سے کوئی سے تین پہلوؤں / موضوعات کے نام لکھیے۔
 - (د) عید الفطر کے موقع پر شہزادوں اور شہزادیوں کا ذکر کرتے ہوئے، خواجہ حسن ناظمی نے کیا نکتہ اُجاگر کیا ہے؟
- اردو شعراء نے ہر دور میں عید الفطر کو موضوع عحن کیوں بنایا؟
- ۲۔ کون سی چیز اقبال "کو عید کے چاند کی تصویر کشی پر مجبور کرتی ہے؟
 - ۳۔ "می صیام گیا اور روز عید آیا" یہ اردو کے کس معروف شاعر کا مصروع ہے؟
 - ۴۔ عید کی شاعری کا ہماری شعری روایات سے کیا تعلق ہے؟
 - ۵۔ سبق کے متن کو مدنظر رکھ کر درست یا غلط پر نشان (✓) لگائیں:
- | | |
|--|------------|
| (الف) ۷۸۵ء کی جگہ آزادی کے بعد اردو شاعری میں وسعت پیدا ہوئی۔ | درست / غلط |
| (ب) خواجہ حسن ناظمی نے ولی کی بربادی کے مرثیے لکھے ہیں۔ | درست / غلط |
| (ج) عید الفطر کے متعلق موضوعات ہماری شاعری کا اصل رخ نماہر کرتے ہیں۔ | درست / غلط |
| (د) سبق میں چار شعرا کے اشعار درج ہیں۔ | درست / غلط |
| (ه) عید الفطر کا تصور ہماری اقدار میں شامل ہے۔ | درست / غلط |
- درست جواب کی نشان دہی (✓) سے کیجیے:
- ۶۔ (الف) یہ مصروع کس شاعر کا ہے؟ "ہلال عید کی گردوں پا آمد ہے"
 - (i) اقبال (ii) حفیظ جalandھری (iii) عبدالجید سالک (iv) حالی
 - (ب) حسن ناظمی نے ولی کے جونوئے لکھے، ان میں کون سی چیز نہیاں ہے؟
 - (i) عظمت رفتہ (ii) احساس شادمانی (iii) عید کا ذکر (iv) لطف و سرت
 - (ج) عید الفطر کے موقع پر مسلم معاشرے کے کس طبقے کو سب سے زیادہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
 - (i) اُمرا (ii) غربا (iii) متوسط (iv) ہمیڈ پوش

- (d) شاعر نے "نڈت افراۓ شویر طفلي" میں کس کی طرف اشارہ کیا ہے؟
- (i) بادل (ii) ستارے (iii) عید الفطر کا چاند (iv) نماز عید الفطر
- (e) ۱۸۵۷ء کی جگہ آزادی کے بعد توجہ تیز ہو گئی:
- (i) غزلوں کی طرف (ii) نظموں کی طرف (iii) مرثیے کی طرف (iv) شہر آشوب کی طرف
- ۸۔ مصنف نے عید کا تعلق ہمار کے علاوہ کس سے جوڑا ہے؟ دو تین سطروں میں جواب لکھیں۔

مضمون

کسی مقررہ موضوع پر اپنے خیالات، جذبات، احساسات یا تاثرات کا نثر میں تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ اس میں موضوع کی کوئی قید نہیں، اس لیے ہر قسم کے موضوعات پر بے شمار مضامین لکھے جاتے ہیں۔ مضمون نویسی میں پہلے موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے، پھر دلائل دے کر بحث کی جاتی ہے اور اہم باتیں علمی پیرائے میں تحریر کی جاتی ہیں اور آخر میں مختصرًا میجھ پیش کیا جاتا ہے۔ تو ازان، تناسب اور لظم و ضبط اس کے اہم تقاضے ہیں۔

سرگرمیاں

- ۱۔ اخبارات اور انٹرنیٹ کی مدد سے عید الفطر سے متعلق مختلف تصاویر جمع کر کے، انھیں ایک چارٹ پر لگائیں۔
- ۲۔ عید الفطر کے دن کی صوروفیات کی تفصیلی روزہ روزہ لکھ کر، استاد صاحب کو دکھائیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ پر واضح کریں کہ اسلامی تہذیب میں عید الفطر کی اہمیت کیا ہے۔
- ۲۔ طلبہ کو سمجھائیں کہ عید الفطر کے موقع پر فضول خرچی، بے جانمود و نمائش اور دیگر غیر اسلامی طور طریقے، دینی تقاضوں کے خلاف ہیں۔
- ۳۔ طلبہ کو اکثر وحید قریشی کے علمی و ادبی مقام و مرتبے سے آگاہ کیا جائے۔



سجاد حیدر بیلدرم

(۱۸۸۰ءے-۱۹۳۳ء)

سجاد حیدر بیلدرم کے جدید امجد و سطی ایشیا سے ہندوستان آئے۔ ۱۸۵۷ء کی جگہ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں ان سے جا گیریں چھن گئیں تو وہ ملازمت کی طرف آگئے۔ بیلدرم یوپی کے ایک قصہ نہ ٹھوڑا ضلع بجنور میں پیدا ہوئے، ان کا بچپن بنارس میں گزارا اور ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ علی گڑھ سے بی اے کیا۔ اس کے ساتھ ہی ذاتی شوق سے ترکی زبان یکبھی اور بغداد کے برطانوی قونصل خانے میں ترجمان کے طور پر کام کرنے لگے۔ کچھ عرصہ قسطنطینیہ میں بھی رہے اور ترکی زبان و ادب کا مزید مطالعہ کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار کے طور پر کام کیا۔ پھر جزا ائمہ مان میں روینیو کوکشز رہے۔ ۱۹۳۳ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔

سجاد حیدر بیلدرم صاحبِ طرز ادیب، مترجم اور شاعر تھے۔ افسانہ نویسی اور ترکی زبان سے اردو میں ترجمان کی شہرت کا سبب بنے۔ ان کے افسانوں کے پیشتر خیالات و موضوعات ترکی ادب سے ماخوذ ہیں۔ خیالستان ان کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں رومانیت کارنگ غالب ہے اور یہ انشائے لطیف کا عمده نمونہ ہے۔ ان کی انشا پر درازی میں حصہ مزاج بھی شامل ہے۔

مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ

تدریسی مقاصد

- ۱۔ معاشرے میں مختلف افراد کے غلط روئوں کی نشان دہی کرنا۔
- ۲۔ دوستی کے ثابت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنا۔
- ۳۔ ”وقت دولت ہے“، اس کی قدر و قیمت سے واقفیت دلانا۔
- ۴۔ یلدزم کے زبان و بیان سے متعارف کرنا۔
- ۵۔ طلبہ کو جملہ اسیہ اور جملہ فعلیہ کو ترکیب خوبی میں ڈھانے کی تربیت دینا۔

اور کوئی طلب اپنے زمانہ سے نہیں

مجھ پر احسان جو نہ کرتے تو یہ احسان ہوتا

ایک دن میں ولی کے چاندنی چوک میں سے گزر رہا تھا کہ میری نظر ایک فقیر پر پڑی، جو بڑے موثر طریقے سے اپنی حالت زار لوگوں سے بیان کرتا جا رہا تھا۔ دو تین منٹ کے وقٹے کے بعد یہ درد سے بھری اپسیخ انھی الفاظ اور اسی پیرائے میں ڈھرا دی جاتی تھی۔ یہ طرز کچھ مجھے ایسا خاص معلوم ہوا کہ میں اس شخص کو دیکھنے اور اس کے الفاظ سننے کے لیے ٹھہر گیا۔ اس فقیر کا قد لمبا، جسم موٹا تازہ تھا اور چہرہ ایک حد تک خوب صورت ہوتا، مگر بدمعاشی اور بے حیائی نے صورت سُخ کر دی تھی۔ یہ تو اس کی شکل تھی۔ رہی اس کی صدا، تو میں ایسا تیئی القلب نہیں ہوں کہ صرف اس کا مختصر ساختا لکھ دوں۔ وہ اس قابل ہے کہ لفظ بالفاظ کلمی جائے۔ چنان چہ وہ اپسیخ یا صدا، جو کچھ کہیے، یہ تھی:

”اے بھائی مسلمانو! خدا کے لیے مجھ پر نصیب کا حال سنو۔ میں آفت کا مارسات بچوں کا باپ ہوں۔ اب روٹیوں کو محتاج ہوں اور اپنی مصیبت ایک ایک سے کہتا ہوں۔ میں بھیک نہیں مانگتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے طلن کو چلا جاؤں، مگر کوئی خدا کا پیارا مجھے مگر بھی نہیں پہنچتا۔ بھائی مسلمانو! میں غریب الوطن ہوں۔ میرا کوئی دوست نہیں، ہائے میرا کوئی دوست نہیں۔ اے خدا کے بندوں امیری سنو، میں غریب الوطن ہوں.....“

فقیر تو یہ کہتا ہوا اور جن پر اس قصے کا اثر ہوا، ان کی خیرات لیتا ہوا آگے بڑھ گیا، لیکن میرے دل میں چند خیالات پیدا ہوئے اور میں نے اپنی حالت کا مقابلہ اس سے کیا اور مجھے خود تجھ ہوا کہ اکثر امور میں، میں نے اس کو اپنے سے لٹھا پایا۔ یہ صحیح ہے کہ میں کام کرتا ہوں اور وہ مفت خوری سے دن گزارتا ہے۔ نیز یہ کہ میں نے تعلیم پائی ہے، وہ جاہل ہے۔ میں اپنے لباس میں رہتا ہوں، وہ

پھٹے پڑنے کپڑے پہنتا ہے۔ نہ، یہاں تک میں اس سے بہتر ہوں۔ آگے بڑھ کر اس کی حالت مجھ سے بدر جھاٹھی ہے۔ اس کی صحت پر مجھے رشک کرنا چاہیے۔ میں رات دن فکر میں گزارتا ہوں، اور وہ ایسے اطمینان سے برکرتا ہے کہ باوجود بسونے اور رونے کی صورت بنانے کے، اس کے پھرے سے بثاشت نمایاں تھی۔ بڑی دیر تک غور کرتا رہا کہ اس کی یہ قابلی رشک حالت کس وجہ سے ہے اور آخر کار میں اس ظاہر عجیب نتیجہ پر پہنچا کہ جسے وہ مصیبت خیال کرتا ہے، وہی اس کے حق میں نعمت ہے۔ وہ حضرت سے کہتا ہے کہ ”میرا کوئی دوست نہیں۔“ میں حضرت سے کہتا ہوں ”میرے اتنے دوست ہیں۔“ اس کا کوئی دوست نہیں؟ اگر یہ حق ہے، تو اسے مبارک بادو نہیں چاہیے۔

میں اپنے دل میں یہ بتیں کرتا ہوا مکان پر آیا۔ کیا خوش قسمت آدمی ہے، کہتا ہے: میرا کوئی دوست نہیں۔ اے خوش نصیب شخص! ایہیں تو تو مجھ سے بڑھ گیا۔ لیکن کیا اس کا یہ قول صحیح ہمیں ہے؟
یعنی کیا اصل میں اس کا کوئی دوست نہیں، جو میرے دوستوں کی طرح اسے دن بھر میں پانچ منٹ کی بھی فرصت نہ دے۔
میں اپنے مکان پر ایک مضمون لکھنے جا رہا ہوں، مگر تجھ نہیں کہ مجھے ذرا سا بھی وقت ایسا ملے گا کہ میں تخلیے میں اپنے خیالات جمع کر سکوں اور انھیں اطمینان سے قلم بند کر سکوں، یا جو اپنی مجھے کل دینی ہے، اسے سوچ سکوں۔ کیا یہ فقیرِ دن دہاڑے اپناروپیا لے جاسکتا ہے، اور اس کا کوئی دوست راستے میں نہ ملے گا اور یہ نہ کہے گا:

”بھائی جان! دیکھو، پرانی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے اس وقت ضرورت ہے، تمہارا سارو پیارا قرض دو۔“ کیا اس کے احباب وقت بے وقت اسے دعوتوں اور جلوسوں میں کھینچ کر نہیں لے جاتے؟ کیا کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اسے نیند کے جھونکے آرہے ہوں مگر یار دوستوں کا مجھ ہے، جو قصے پر قصہ اور لطیفہ پر لطیفہ کہ رہے ہیں اور اُنھنے کاتا نہیں لیتے؟ کیا اسے دوستوں کے خطوں کا جواب نہیں دینا پڑتا؟ کیا اس کے پیارے دوست کی تصنیف کی ہوئی کوئی کتاب نہیں، جو اسے خواہ مخواہ پڑھنی پڑے اور رو یو لوکھنا پڑے؟ کیا اسے احباب کی وجہ سے شور مچانا اور ہونچ کرنا نہیں پڑتا؟ کیا دوستوں کے ہاں ملاقات کو اسے جانا نہیں پڑتا؟ اگر نہ جائے تو کوئی شکایت نہیں کرتا۔ اگر ان سب بالتوں سے وہ آزاد ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ ہقا کشا ہے اور میں نحیف و ذرا سار ہوں۔

یا اللہ، کیا اس پر بھی وہ شکرا دا نہیں کرتا، خدا جانے وہ کون ہی نعمت چاہتا ہے؟ لوگ کہیں گے کہ اس شخص کے کینے بے ہودہ خیالات ہیں۔ بغیر دوستوں کے زندگی دو بھر ہوتی ہے اور یہ ان سے بھاگتا ہے مگر میں دوستوں کو بُرائیں کہتا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے خوش کرنے کے لیے میرے پاس آتے ہیں اور میرے خیر طلب ہیں مگر عملی نتیجہ یہ ہے کہ احباب کا ارادہ ہوتا ہے، مجھے فائدہ پہنچانے کا، اور ہو جاتا ہے مجھے نقصان۔ چاہے مجھے پر فرین کی جائے، مگر میں یہ کہے بغیر نہیں زہ سکتا کہ آج تک میرے سامنے کوئی یہ ثابت نہ کر سکا کہ احباب کا ایک یہ غیر کئنے اور شناسائی کے دائرے کو سیچ کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں

کچھ کام کرنا ہے اور با توں ہی میں عمر نہیں گزارنی ہے تو بعض نہایت عزیز دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا، جا ہے اس سے میرے دل پر کیا ہی صدمہ ہو۔

مثلاً میرے دوست احمد مرزا ہیں، جنہیں میں بھروسہ یادوست کہتا ہوں۔ یہ نہایت معقول آدمی ہیں اور میری ان کی دوستی نہایت پرانی اور بے تکلفی کی ہے مگر حضرت کی خلقت میں داخل ہے کہ دو منٹ چلا نہیں بیٹھا جاتا۔ جب آئیں گے، شور مچاتے ہوئے، چیزوں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے۔ غرض کہ ان کا آنا بھونچال کے آنے سے کم نہیں ہے۔ جب وہ آتے ہیں تو میں کہتا ہوں:

”کوئی آرہا ہے قیامت نہیں۔“ ان کے آنے کی مجھے ذور سے خبر ہو جاتی ہے، باوجود یہ کہ میرے لکھنے پڑھنے کا کراچپت پر ہے۔ اگر میر اونو کہتا ہے کہ ”میاں! اس وقت کام میں بہت مشغول ہیں،“ تو وہ فوراً چینخا شروع کر دیتے ہیں کہ کم بخت کو اپنی محنت کا بھی تو کچھ خیال نہیں (نوکر کی طرف مخاطب ہو کر) ”خیراتی! کب سے کام کر رہے ہیں؟ بڑی دیر سے! تو بہ تو بہ! اچھا! اس ایک منٹ ان کے پاس بیٹھوں گا۔ مجھے خود جانابے۔ چھت پر ہوں گے نا؟ میں پہلے ہی سمجھتا تھا۔“
یہ کہتے ہوئے وہ اوپر آتے ہیں اور دروازہ اس زور سے کھولتے ہیں کہ گویا کوئی گولا آ کے لگا۔ (آج تک انہوں نے دروازہ ٹھکھنا یا نہیں) اور آندھی کی طرح داخل ہوتے ہیں:

”آہاہا! آخْرِ تھیں میں نے کپڑا لیا۔ مگر دیکھو، میری وجہ سے اپنا لکھنا بند مکروہ۔ میں حرج کرنے نہیں آیا۔ خدا کی پناہ! کس قدر لکھا ڈالا ہے۔ کہ طبیعت تو اتحمی ہے؟ میں تو صرف یہ پوچھنے آیا تھا۔ واللہ! مجھے کس قدر خوشی ہوتی ہے کہ میرے دوستوں میں ایک شخص ایسا ہے، جو مضمون نگار کے لقب سے پکارا جاسکتا ہے۔ لو اب جاتا ہوں، میں بیٹھوں گا نہیں۔ ایک منٹ نہیں پڑھنے کا۔ تمہاری خیریت دریافت کرنی تھی، خدا حافظ۔“

یہ کے وہ نہایت محبت سے مصافحی کرتے ہیں اور اپنے جوش میں میرے ہاتھ کو اس قدر دبادیتے ہیں کہ الگیوں میں درد ہونے لگتا ہے اور میں قلم نہیں پکڑ سکتا۔ یہ تعلیم دہ رہا، اپنے ساتھ میرے کل خیالات کو بھی لے جاتے ہیں۔ خیالات کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں، مگر اب وہ کہاں؟ اور دیکھا جائے تو میرے کمرے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں رہے، تاہم وہ اگر گھنٹوں رہتے تو اس سے زیادہ نقصان نہ کرتے۔ کیا میں انھیں چھوڑ سکتا ہوں؟ میں اس سے انکا نہیں کرتا کہ میری ان کی دوستی بہت پرانی ہے اور مجھے سے بھائیوں کی طرح محبت کرتے ہیں، تاہم میں انھیں چھوڑ دوں گا۔ ہاں چھوڑ دوں گا، اگرچہ کچھ پر پھر رکھنا پڑے۔

اور لیجیے! دوست محمد تھیں ہیں۔ یہ بال بچوں والے صاحب ہیں اور رات دن انھی کی فکر میں رہتے ہیں۔ جب کبھی ملٹا آتے ہیں تو تیرے پہر کے قریب آتے ہیں جب میں کام سے فارغ ہو چکتا ہوں، لیکن اس قدر تھا کہ وہاں ہوتا ہوں کر دل

یہی چاہتا ہے کہ ایک گھنٹہ آرام کری پر خاموش پڑا رہوں۔ مگر تحسین آئے ہیں، ان سے ملنا ضروری ہے۔ ان کے پاس باقی کرنے کے لیے سوائے اپنی بیوی بچوں کی بیماری کے اور کوئی مضمون ہی نہیں۔ میں کتنی ہی کوشش کروں مگر وہ اس مضمون سے باہر نہیں نکلتے۔ اگر میں موسم کا ذکر کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں: ”ہاں ابو اخرا ب موسم ہے۔ میرے چھوٹے بچے کو بخار آگیا۔ مخلحی بڑی کھانی میں جاتا ہے۔ اگر پالینکس^۱ یا لثر پچر^۲ کے متعلق گفتگو شروع کرتا ہوں تو تحسین فوراً مذدرت پیش کرتے ہیں کہ بھائی آج کل گھر بھر بیار ہے۔ مجھے اتنی فرصت کہاں کہ اخبار پڑھوں۔ اگر کسی عام جلسے میں آتے ہیں تو اپنے لڑکوں کو ضرور ساتھ لے ہوتے ہیں اور ہر ایک سے بار بار پوچھتے رہتے ہیں کہ ”طبیعت تو نہیں گھبراتی؟ پیاس تو نہیں معلوم ہوتی؟“ کبھی کبھی بیض دیکھ لیتے ہیں اور وہاں بھی کسی سے ملتے ہیں تو گھر کی بیماری کا ذکر کرتے ہیں۔

ایسا طرح میرے مقدمے باز دوست ہیں، جنہیں اپنی ریاست کے جھنڈوں، اپنے فریقی مخالف کی برائیوں اور نجح صاحب کی تعریف یاد ملت کے (تعریف اس حالت میں جب کہ انہوں نے مقدمہ جیتا ہو) اور کوئی مضمون نہیں، میں جملہ اور بہت سے مختلف قسموں کے دوستوں کے، میں محمد شاکر خاں صاحب کا ذکر خصوصیت سے کروں گا، کیوں کہ وہ مجھ پر خاص عناصر فرماتے ہیں۔ شاکر خاں صاحب موضع سلیم پور کے رہنیں اور ضلع بھر میں نہایت ممتاز زادی ہیں۔ انھیں اپنی لیافت کے مطابق لثر پچر کا بہت شوق ہے۔ لثر پچر پڑھنے کا تانہیں، جتنا لثیری^۳ آدمیوں سے ملنے اور تعارف پیدا کرنے کا۔ ان کا خیال ہے کہ اہل علم کی تھوڑی سی قدر کرنا، امر کے شایان شان ہے۔ ایک مرتبہ میرے ہاں تشریف لائے اور بہت اصرار سے مجھے سلیم پور لے گئے، یہ کہ کے:

”شہر میں رات دن شور و شغب رہتا ہے۔ دیہات میں کچھ عرصہ رہنے سے تبدیلی آب و ہوا بھی ہو گی اور وہاں مضمون نگاری بھی زیادہ اطمینان سے کر سکو گے۔ میں نے ایک کرا خاص تمہارے واسطے آراستہ کرایا ہے، جس میں پڑھنے لکھنے کا سب سامان مہیا ہے۔ تھوڑے دن رہ کے چلے آنا۔ دیکھو، میری خوشی کرو۔“

میں ایسے محبت آمیز اصرار پر انکار کیسے کر سکتا تھا؟ مختصر سامان پڑھنے لکھنے کا لے کر میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایڈیٹر معارف سے وعدہ کر چکا تھا کہ ایک خاص عرصے میں ان کی خدمت میں ایک مضمون بھیجوں گا۔ شاکر صاحب کی کوئی پرمنجع کر میں نے وہ کردار یکھا، جو میرے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس کی کھڑکی پائیں باعث کی طرف مکمل تھی اور ایک نہایت ہی دل فریب نیچرل^۴ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا۔ صبح کوئی نیچنے ناشتے کی غرض سے بلا یا گیا۔ جب دوسرا پیلا چائے کا پی چکا تو اپنے کمرے کو جانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ چاروں طرف سے اصرار ہونے لگا کہ: ”ہیں ایں؟ کہیں ایسا غصب نہ کرنا کہ آج ہی سے کام شروع کر دو۔ اپنے دماغ کو کچھ تو آرام دو اور آج کا دن تو خاص کراس قابل ہے کہ سیری کا لطف اٹھانے میں گزار جائے۔

— Politics

— Literature

— Literary

— Natural

چلیے، گاڑی تیار کرتے ہیں، دریا پر مچھلی کا شکار کھلیں گے، پھر وہاں سے دو میل پر احمد گر ہے۔ آپ کو وہاں کے رئیس راجا طالب علی صاحب سے ملائیں گے۔“

میرا ماتھا وہیں ٹھنکا کر اگر یہی حال رہا تو یہاں بھی فرصت معلوم! خیر سکڑوں حیلے حوالوں سے اس وقت تو میں بچ گیا اور میرے میز پان بھی میری وجہ سے نہ گئے مگر مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ جس عنقا، یعنی یک سوئی کی تلاش میں میں سرگردان تھا، وہ مجھے یہاں بھی نہ ملے گی۔

میں جلدی سے انٹھ کر اپنے کمرے میں آیا اور اس وقت ذرا غور سے اس میز کے سامان کو دیکھا، جو میرے لکھنے پڑھنے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ میز پر نہایت قیمتی کام دار کپڑا پڑا ہوا تھا، جس پر ایک قطرہ گرانا گناہ کبیرہ سے کم نہ ہو گا۔ چاندی کی دوات، مگر سیاہی دیکھتا ہوں تو سوکھی ہوئی۔ انگریزی قلم نہایت قیمتی اور نایاب، مگر اکثر میں فب ندارد، جاذب کاغذ ایک محنتی جلد کی کتاب میں، مگر لکھنے کے کاغذ کا پتا نہیں۔ اسی طرح بہت سا اعلیٰ درجے کا بیش قیمت سامان میز پر تھا مگر اکثر اس میں سے میرے کام کا نہیں اور جو چیزوں ضرورت کی تھیں، وہ موجود نہیں۔ آخر کار میں نے وہی اپنا پرانا استعمالی، مگر مفید بکس اور اپنی معمولی دوات اور قلم (جس نے اب تک نہایت ایمان داری سے میری مدد کی تھی) اور میرے پرہیز اس خیالات کو تیزی کے ساتھ قفس کاغذ میں بند کیا تھا) نکالا، اور لکھنا شروع کیا۔ یہ ضرور ہے کہ جن مرغابی خوش نوا کی تعریف میں شعر اس قدر رَطْبُ المِسَان ہیں، ان کی عنایت سے میں خوش نہیں ہوا کہ سب کے سب میرے کمرے کے نیچے درخت پر جمع ہو گئے اور شور چانا شروع کر دیا، تاہم میں نے کوشش کر کے اُن کی طرف سے کان بند کر لیے اور کام میں ہمہ تن مشغول ہو گیا۔

تن تن، بتنا نا، چمن، بتان، تن، تن، تن، میں ایسا مصروف تھا کہ دنیا و ما فیہا کی خبر نہ تھی۔ یکا یک اس تن تن نے چون کادیا۔ یہ کیا ہے؟ اُفہ! اب میں سمجھا، میرے کمرے کے قریب شاکر خال صاحب کے چھوٹے بھائی کا کمرہ ہے! انھیں موسیقی میں بہت دل ہے۔ اس وقت ستارے شوق فرمائے تھے۔ بہت خوب بجارتے ہیں۔

کوئی آدھ گھنٹہ انہوں نے موسیقی کی بخشش فرمائے میری خواہش کے خلاف محظوظ فرمایا۔ پھر کسی وجہ سے وہ اپنے کمرے سے چلے گئے اور خاموشی طاری ہو گئی تو مجھے پھر اپنے کام کا خپال آیا۔

”اے میرے خیالات! تمھی میرا گنجینہ، میرا خزانہ ہو، خدا کے لیے رحم کرو۔ میرے دماغ میں پھر آ جاؤ۔“ یہ کہ کے میں کاغذ کی طرف متوجہ ہوا کہ دیکھوں، کہاں چھوڑا ہے۔

”جن کی قدر آپ کہاں بھول پڑے، اتنے دنوں کہاں رہے؟“

یہ کیا بُھل فقرہ ہوا! لا حول ولا قوّۃ۔ میں بھی کیا گڑ بڑ کر رہا ہوں۔

”آپ کہاں بھول پڑے، اتنے دنوں کہاں رہے۔“ یقمرے تو شاکر خاں صاحب نے کسی دوست سے کہے ہیں، جو ابھی ان سے ملنے آیا ہے۔ میں مصروفیت میں انھیں ہی لکھ گیا۔

..... ہاں تو کاث کے فقرہ درست کرنا چاہیے ”اور جن کی قدر ابھی تک ملک و قوم کو معلوم نہیں ہوئی ہے اور باہر کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔

”کون ہے؟“

”میں ہوں شہن! سرکار نے کہا ہے کہ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو یخچے ذرا سی دیر کے لیے تشریف لائیے۔ کوئی صاحب آئے ہوئے ہیں اور سرکار انھیں آپ سے ملانا چاہتے ہیں۔“

بادل ناخواستہ میں اٹھا اور یخچے گیا۔ شاکر صاحب کے دوست راجا طالب علی صاحب تشریف لائے تھے۔ ان سے میرا تعارف کرایا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تشریف لے گئے اور مجھے بھی فرصت ملی اور میں نے یک سو ہو کر لکھنا شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ شہن نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ معلوم ہوا کہ میری پھر یاد ہوئی۔ ہمارے میزبان کے کوئی اور دوست آئے ہوئے ہیں اور میں انھیں دکھایا جاؤں گا۔ گویا میں بھی مثل اس عربی گھوڑے کے تھا، جسے میزبان نے حال ہی میں خریدا تھا اور جو ہر دوست کو اصلبل سے منگا کے دکھایا جاتا تھا۔ ان دوست سے نجات پا کر اور بھاگ کر میں پھر اپنے کمرے میں آیا، خیالات غائب ہو گئے تھے۔ فقرہ از سر نو پھر بنا پڑا۔ طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ یہ ہزار دقت پھر بیٹھا اور لکھنا شروع کیا۔ اب کی مرتبہ خوش قسمتی سے کوئی آدھ گھنٹہ ایسا ملا، جس میں کوئی آیا گیا نہیں۔ اب میرا قلم تیزی سے چل رہا تھا اور نہیں لکھ رہا تھا:

”ہم کو کامل یقین ہے کہ ہمارے ملک کے قابل نوجوان، جنہیں تعمیش اور تحقیقات کا شوق ہے اور جو کو لمبی^① کی طرح

نئی معلومات اور نئی دنیا (گودہ علمی دنیا ہی کیوں نہ ہو) کے دریافت کرنے کے لیے اپنے تیئیں.....“

..... دروازے پر پھر دستک۔

”کیا ہے؟“

”اچھا“

”دریافت کرنے کے لیے اپنے تیئیں خطرے میں ڈالنے سے بھی خوف نہیں کھاتے، ضرور اس طرف متوجہ ہوں گے اور اپنی کاؤشوں اور کوششوں سے موجودہ.....“

..... دروازہ پھر کھٹکھٹایا گیا۔

..... ۱ کو لمبی، ایک یورپی چہاز راں جس نے ہندوستان کی طرف سفر کرتے ہوئے اعظم شاہی امریکہ دریافت کیا۔

”ہاں“

”حضور اسر کار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ کھانا مٹندا ہوا جاتا ہے۔“

”اوفو! مجھے خیال نہیں رہا۔ سرکار سے عرض کرنا: میرا انتظار نہ کریں، میں پھر کھالوں گا۔ اس وقت مجھے کچھ ایسی بھوک نہیں۔“

”..... اور آئندہ نسلوں کو زیر بار احسان کریں گے۔ یہی نوجوان ہیں، جو قوم کی کشتی کو، خدا کی مدد پر بھروسا کر کے، خطرات سے بچاتے اور ساحلی مراد تک پہنچاتے ہیں۔ زندگی اور موت کا لامیل مسئلہ.....“

دستک

”کیا ہے؟“

”سرکار کہتے ہیں، اگر آپ تھوڑی دیر میں کھائیں گے تو ہم بھی اسی وقت کھائیں گے، مگر کھانا مٹندا ہو کے بالکل خراب ہو جائے گا۔“

”اچھا بھائی، لو ابھی آیا۔“

یہ کہ کے میں کھانے کے لیے جاتا ہوں، سب سے مغدرت کرتا ہوں۔ میزبان نہایت اخلاق سے فرماتے ہیں:

”چہرے پر تھکن معلوم ہوتی ہے۔ کیا بہت لکھڈا، دیکھو! میں تم سے کہتا تھا کہ شہر میں ایسی فرصت اور خاموشی کہاں؟“

سوائے اس کے کہ میں آمنا و صدّقا کہوں اور کیا کہ سکتا تھا؟ اب کھانے پر اصرار ہوتا ہے، جس چیز سے مجھے رغبت نہیں، وہی کھلائی جاتی ہے۔ بعد کھانے کے میزبان صاحب فرماتے ہیں: ”سہ پھر کو تمھیں گاڑی میں چلتا ہو گا۔ میں تمھیں اس واسطے یہاں نہیں لایا کہ سخت دماغی کام کر کے اپنی محنت خراب کرنو۔“

واپس کر کے میں آکر میں تھوڑی دیر اس غرض سے لیتتا ہوں کہ خیالات جمع کرلوں اور پھر لکھنا شروع کر دوں مگر اب خیالات کہاں؟ مضمون اٹھا کر دیکھتا ہوں: ”زندگی اور موت کا لامیل مسئلہ!“ اس کے متعلق کیا لکھنے والا تھا؟ ان الفاظ کے بعد کوں سے الفاظ دماغ میں تھے؟ اب کچھ خیال نہیں کہ اس کو پہلے فقردوں سے کیوں کر ربط پیدا کرنا تھا۔ یوں ہی پڑے پڑے نیند آ جاتی ہے۔ تیسرے پھر اٹھتا ہوں تو دماغ بہت صحیح پاتا ہوں۔ ”زندگی اور موت کا لامیل مسئلہ“ بالکل حل ہو جاتا ہے۔ پورا فقرہ آئینے کی طرح صاف نظر آتا ہے۔ میں خوشی خوشی انہ کی پہنچ پر گیا اور لکھنا چاہتا تھا کہ پھر وہی دستک!

نوکر اطلاع دیتا ہے کہ گاڑی تیار ہے، سرکار کپڑے پہننے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں فوراً نیچے جاتا ہوں تو پہلا فقرہ، جو میزبان صاحب کہتے ہیں، وہ ہوتا ہے: ”آج تو دستے کے دستے لکھڈا لے۔“ میں کچھ بات کہوں کہ ”کچھ بھی نہیں لکھا۔“ تو وہ نہ کے جواب دیتے ہیں کہ ”آخر اس قدر گسر نفسي کی کیا ضرورت ہے؟“

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھائے فتمیں

مجھے یقین ہوا اور مجھ کو اعتبار آیا۔

میں ملکار شام کو واپس آئے۔ کھانے کے بعد باتیں ہوتی ہیں۔ سونے کے وقت اپنادن بھر کا کام دیکھتا ہوں تو ایک صفحے سے زیادہ نہیں، وہ بھی بے ربط و بے سلسلہ۔ غصے اور رنج میں آ کر اسے چھاڑ دیتا ہوں اور دوسرے روز اپنے میز بان کو ناراض کر کے اپنے گھر واپس چلا آتا ہوں۔ میں ناشرک اور احسان فراموش کہا جاؤں گا مگر میں مجبور ہوں، اس عزیز اور مہربان دوست کو بھی چھوڑ دوں گا۔

میں نے ذرا تفصیل سے ان کا حال بیان کیا ہے مگر یہ خیال نہ کرنا کہ میں ان احباب کی فہرست ختم ہو گئی، جن سے میں رخصت طلب کر سکتا ہوں۔ نہیں، ابھی بہت سے باقی ہیں، مثلاً ایک صاحب ہیں، جو مجھ سے کبھی نہیں ملتے مگر جب آتے ہیں، میں ان کا مطلب سمجھ جاتا ہوں۔ یہ حضرت ہمیشہ قرض مانگنے کے لیے آتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں، جو ہمیشہ ایسے وقت میں آتے ہیں جب میں باہر جانے والا ہوتا ہوں۔ ایک صاحب ہیں، جب مجھ سے ملتے ہیں کہتے ہیں: ”میاں! عرصے سے میرا دل چاہتا ہے، تمہاری دعوت کروں۔“ مگر کبھی اپنی خواہش کو پورا نہیں کرتے۔ ایک دوست ہیں، وہ آتے ہی سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں۔ جب میں جواب دیتا ہوں تو متوجہ ہو کر نہیں سنتے یا اخبار اٹھا کر پڑھنے لگتے ہیں یا گانے لگتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں، جو جب آتے ہیں، اپنی ہی کہہ جاتے ہیں، میری نہیں سنتے۔

یہ سب میرے عنایت فرم اور خیر طلب ہیں۔ مگر اپنی طبیعت کو کیا کروں، صاف صاف کہتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک سے کہ سکتا ہوں:

مجھ پر احسان جو نہ کرتے تو یہ احسان ہوتا



مشق

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کیجیے:

(الف) چاندنی چوک میں فقیر کی تقریر کا لپٹ لباب کیا تھا؟

(ب) مصنف پر اس فقیر نے کیا اثر کیا؟

(ج) مصنف کو اپنے بے تکلف دوست بھڑ بھڑیا سے کیا شکایت ہے؟

(د) محمد تحسین کی گفتگو کا مجموعہ کیا ہوتا ہے؟

(ه) مصنف کے کون سے دوست ادب کے زیادہ دل دادہ ہیں؟

۲۔ سبق کے متن کو نظر کر کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) آفت کا مارافقیر کتنے بچوں کا باپ تھا:

- (i) تین
- (ii) پانچ
- (iii) سات
- (iv) نو

(ب) مصنف نے کس مصیبت کو فقیر کے لیے نعمت تصویر کیا ہے؟

- (i) روٹی کی محتاجی
- (ii) دوست نہ ہونا
- (iii) غریب الوطنی
- (iv) بھیک مانگنا

(ج) مصنف نے کس دوست کو بھڑکھڑا دوست کہا ہے؟

- (i) محمد عسین
- (ii) احمد مرزا
- (iii) قرض خواہ دوست
- (iv) مقدمے باز دوست

(د) شاکر صاحب مصنف کو لے گئے:

- (i) سلیم پور
- (ii) ولی
- (iii) بے پور
- (iv) شاہ پور

(ه) مصنف کا دوست زیادہ بے تکلف اور شور چانے والا ہے:

- (i) احمد مرزا
- (ii) شاکر صاحب
- (iii) قرض خواہ دوست
- (iv) محمد عسین

(و) مصنف کے دوست انھیں راجا صاحب سے ملوانے کیاں لے جانا چاہتے تھے؟

- (i) جامنگر
- (ii) احمدنگر
- (iii) ال آباد
- (iv) احمد آباد

(ز) مصنف جس کمرے میں بھرائے گئے اس کی کھڑکی کھلتی تھی:

- (i) باغ میں
- (ii) چیل میدان کی طرف
- (iii) پائیں باغ میں
- (iv) دریا کی سمت

۳۔ متن کی روشنی میں درست لفظ چن کر خالی جگہ پر لکھیجیے:

(الف) چاندنی چوک میں صد لاگانے والا فقیر تھا۔ (بھوکا، بیمار، غریب الوطن)

(ب) احمد مرزا کی خلقت میں داخل ہے کہ دو منٹ نہیں بیٹھا جاتا۔ (خاموش، تھلا، پُرسکون)

- (ج) مصنف کو لکھنے پڑھنے سے منع کرنے والے دوست کا نام ہے۔ (احمد مرزا، محمد تحسین، شاکر خاں)
 (د) احمد نگر کے رئیس کا نام ہے۔ (شاکر خاں، احمد علی، طالب علی)
 (ه) میرے دوست کا نام شاکر خاں ہے۔ (ادب پسند، مقدمے باز، شکاری)

-۳

سبق کے متن کو مینڈنظر کر کر درست یا غلط پرنشان (۷) لگائیں:

- | | |
|----------|---|
| درست/غلط | (الف) چاندنی چوک میں ایک بد صورت فقیر صد الگا رہا تھا۔ |
| درست/غلط | (ب) فقیر کے پاس سب کچھ تھا، اُس کا کوئی دوست نہ تھا۔ |
| درست/غلط | (ج) احمد مرزا کو مصنف نے ”بھڑ بھڑیا“ کا نام دیا ہے۔ |
| درست/غلط | (د) شاکر خاں کے ہاں سیاہی کی دوات خشک اور قلم بغیر بب کے تھا۔ |
| درست/غلط | (ه) شاکر خاں کے بھائی کو موسیقی سے نفرت تھی۔ |

-۴

سیاق و سبق کے حوالے سے مندرجہ ذیل اقتباسات کی تشریح کیجیے:

- (الف) دیکھوپرانی دوستی کا واسطہ کون سی نعمت چاہتا ہے؟
 (ب) بادلِ خواستہ میں میں لکھ رہا تھا۔

-۵

اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

مندرجہ ذیل تراکیب اور محاورات کو اپنے الفاظ میں استعمال کیجیے:

- لفظ بلفظ، نحیف وزرار، زندگی دو بھر ہونا، نچلانہ بیٹھنا، لکھنے پر پتھر کھانا، شایان شان، ماتھا ٹھکنا، رطبِ انسان
 جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی ترکیبِ نحوی:

کسی جملے کے اجزا الگ الگ کرنے اور ان کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنے کو ترکیبِ نحوی کہتے ہیں۔

ترکیبِ نحوی کرنے سے پہلے یہ جانتا ضروری ہے کہ جملہ، جملہ اسمیہ ہوتا ہے یا جملہ فعلیہ۔ اگر کسی شعر یا مسرع کی
 ترکیبِ نحوی کرنا مقصود ہو تو اسے نہ میں تبدیل کرتے ہیں۔ ان کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے:

جملہ اسمیہ: فعلی ناقص، مبتدا، خبر اور متعلق خبر۔

جملہ فعلیہ: فعلِ تمام، فاعل، مفعول اور متعلق خبر۔

مثالیں: احمد ہوشیار ہے اس میں ”ہے“، فعلی ناقص، ”احمد“، مبتدا اور ”ہوشیار“، خبر ہے۔

شاہد اور امان حاضر تھے اس جملے میں ”تھے“، فعلی ناقص ہے، ”شاہد اور امان“، مبتدا اور ”حاضر“، خبر ہے۔

اب جملہ فعلیہ کی مثال دیکھیے:

جیلے کتاب پڑھتی ہے۔

”پڑھتی ہے، فعل ”جمیلہ“ فاعل ہے اور ”کتاب“ مفعول ہے۔
اقبال نے مون مارکیٹ سے نیا قلم خریدا۔

”خریدا“، ”فعل“، ”اقبال“، ”فاعل“، ”نے“، ”علامت فاعل“، ”مون مارکیٹ“، ”محروم اور“ سے ”حرف جار“۔
”مون مارکیٹ سے“، ”متعلق فعل“، ”یا“، ”صفت“، ”قلم“، ”موصوف“، ”نیا قلم“، ”مفعول“۔ یہ جملہ فعلیہ ہے۔

۸۔ اب آپ درج ذیل جملوں اور مصرعوں کی ترکیب خوبی کیجیے:

(الف) شاہزاد خ اسلام کا بھائی ہے۔

(ب) شمع ہر رنگ میں حلتو ہے حمر ہونے تک۔

(ج) تندرتی ہزار نعمت ہے۔

(د) رافع اور مونہ کتابیں خریدنے لگیں۔

(ه) شہر پار بیمار ہے۔

افسانہ

یہ اس فرضی کہانی کو کہتے ہیں جو مختصر، دل چھپ اور واقعاتی لحاظ سے زندگی کے کسی پہلو پر روشنی ڈالے۔ اس کے کردار فرضی ہوتے ہیں لیکن حقیقی نظر آتے ہیں۔ اس کی طوالت اتنی ہوتی ہے کہ ایک نشست میں پڑھا جاسکتا ہے۔ وحدت تاثر اس کی بڑی خوبی ہوتی ہے۔

سرگرمیاں

۱۔ دوستی کے موضوع پر دو دوستوں کے درمیان مختصر مکالمہ تحریر کریں۔

۲۔ دوستی کے حق اور مخالفت میں جماعت کے کمرے میں ایک مباحثہ کرایا جائے۔ اس میں دونوں طرف سے تین تین طلبہ دلائل دیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

۱۔ طلبہ پر دوستی کا صحیح مفہوم واضح کیا جائے۔

۲۔ مختلف مثالوں کے ذریعے سے طلبہ کو وقت کی اہمیت کا احساس دلا جائے۔

۳۔ طلبہ پر واضح کیا جائے کہ اپنے من بنڈ کام میں مصروف رہنے والی سے انسان خوش رہ سکتا ہے۔

ہاجرہ مسرور

(۱۹۲۹ء-۲۰۱۲ء)

ہاجرہ مسرور کھنڈوں میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد اکٹھو رعلی خاں سرکاری ملازم تھے۔ والد کے تجاذبوں کی وجہ سے ان کی تعلیم کئی شہروں میں ہوئی۔ ان کی اچانک وفات کے بعد ہاجرہ کا سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا۔ ہاجرہ مسرور کو گھر میں ادبی ماحول میسرتھا۔ ۱۹۲۹ء میں اپنے خاندان کے ساتھ لکھنؤ سے بھرت کر کے لاہور آگئیں۔ کچھ عرصہ وہ احمد ندیم قاسی کے ساتھ رسالہ نقشوش کی ادارت میں شریک رہیں۔ ان کی شادی معروف صحافی احمد علی (مدیرِ ڈان) سے ہوئی۔

خواتین افسانہ نگاروں میں ہاجرہ مسرور نے خاصی شہرت حاصل کی۔ ان کے زیادہ تر افسانوں کا موضوع خواتین کے مسائل اور چھوٹی بڑی معاشرتی الجھنیں ہیں۔ معروف افسانہ نگار اور نقاد ممتاز شیریں لکھتی ہیں: ”اتنی زیادہ تعداد میں اچھے افسانے ہاجرہ مسرور کے علاوہ شاید ہی کسی نے لکھے ہیں۔“

ان کے متعدد افسانوں مجموعے شائع ہو چکے ہیں، مثلا: چر کرے، ہائے اللہ، چوری چھپے، اندھیہ میں اجالنے، تیسری منزل وغیرہ۔ وہ لوگ کے نام سے ان کے ڈراموں کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ہاجرہ کے افسانوں کا کلیات سب افسانے میں ہے ۱۹۹۱ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا۔ ہاجرہ مسرور بھرپور ادبی اور سماجی زندگی گزار کر ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو کراچی میں وفات پا گئیں اور کراچی ہی میں دفن ہوئیں۔

مُلْكَمَع

تدریسی مقاصد

- ۱۔ ہاجرہ مسرور کی افسانہ نگاری کا تعارف کرنا۔
- ۲۔ معاشرے میں ظاہر و باطن کے دو غلے پن کی نشان دہی کرنا۔
- ۳۔ بعض لوگوں کو دکھاوے کی عادت ہوتی ہے، اس کے نفیاتی پس منظر کی نقاب کشائی کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو افسانے کی صحف سے واقفیت دلانا۔
- ۵۔ طلبہ پر اچھے افسانے کی خوبیاں اجاءگر کرنا۔

وہ ریلوے نکٹ گھر کے سامنے سیاہ ریشمی بر قلعے میں لپٹی کھڑی تھی۔ پٹی ہوئی نقاب، کچھ متوجب سی نگاہیں، رات کے ساری ہی گیارہ نجع چکے تھے۔ گاڑی کے آنے میں صرف پندرہ منٹ باقی تھے، لیکن نکٹ گھر کی کھڑکیاں اب تک بند تھیں۔ اس کی حیران نظریں بند کھڑکیوں سے سرکرا انکرا کر اکتا گئیں۔ اس نے ایک نظر اپنے ارد گرد ڈالی۔ زین اور بچوں پر سیکروں آدمی لاشوں کی طرح پڑے سور ہے تھے، جیسے ان سب کو سفر کرنا ہی نہ تھا۔

وہ آہستہ سے قلی کی طرف مڑی، جو اس کا ہلکا چھلاکا اپنی کیس اور مختصر سا بستر سر پر رکھے ہوئے تھا۔

”قلی! اب تک گھر نہیں کھلا؟“

”یو گاڑی ہمیشہ لیٹ رہت ہے۔“ قلی نے اپنی دھنڈلی سی تھا آنکھ اس کے خوب صورت چہرے پر گاڑی اور جیسے اس کی دوسری پھوٹی ہوئی آنکھ کا دھندا ہوا پہنچا اپنی بے مانگی پر پھر کنے لگا۔

”تو کہاں بیٹھوں میں؟“ وہ جیسے اپنے آپ سے سوال کر رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر قریب پڑے ہوئے غریب انسانوں پر اپنی نظریں بکھیر دیں۔

”یہیں بیٹھ جاؤ۔“

”یہاں؟“ اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا ریشمی بر قلع، خوب صورت چہرہ اور نشیں سامان، غریب قلی کی نظروں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

یہ سوچ کر اس کا دل بیٹھنے لگا اور وہ خاموشی سے نیم تاریک سی کالی کلوٹی سڑک کی طرف دیکھنے لگی، جس پر اکا ڈکا چرخ چوں کرتے ہوئے یئے کی میلی چینیوں والی بیسوں سے ایک کثیف سی روشنی نکل کر سڑک پر رینگ رہی تھی۔ اس کا خیال فوراً ہی

اپنی موجودہ حالت کی طرف دوڑ گیا۔ مئیں کیا ہوں اس وقت؟ دیکھنے والوں کی نظر میں یقیناً کوئی امیر کبیر آزاد خیال لڑکی لیکن درحقیقت ایک مٹے ہوئے خاندان کی قابل..... لیکن پریشان حال لڑکی۔ بالکل یکے کی دھنڈلی لائیں۔

”رکھے دیت ہیں سامان اسی جگہ۔“ قلی بولا۔

”نبیس مئیں یہاں نہیں بیٹھوں گی۔“ اس نے کسی قدر غصتے سے کہا۔ پھر اندھیرے میں گھونٹنے لگی۔ اندھیری سڑک پر کارے بولوں کی چڑھڑ پیدا ہوئی اور ایک سایہ لزتا ہوا بڑھنے لگا۔ آخر ٹیشن کی تیز روشنی میں اس نے دیکھا کہ ایک قبول صورت نوجوان ایک بھاری اوورکوت پہنے اسی طرف آ رہا ہے۔ لڑکی سمجھی شاید لٹک لینے آ رہے ہیں حضرت۔ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔ نوجوان ثالیٰ کی گردہ کستا، اس پر ایک چھتی ہوئی نظر ڈالتا نکٹ گھر کے پیچے نکل گیا۔

لڑکی کے کھلے ہوئے لب سکون گئے۔ ہو گا کوئی امیرزادہ! بھلا دھڑ کلاس کا نکٹ لینے کیوں آئے گا؟

”پھر ہم سامان رکھ کے جائیت ہیں۔“ قلی لڑکی کی خاموشی سے جھنجلا کر بولا۔

”بکومت! مئیں یہاں ہرگز نہ بیٹھوں گی۔“ وہ اوپھی آواز میں بول اٹھی۔

اچانک وہی نوجوان نکٹ گھر کے پیچے سے نکل آیا۔

”قلی! تم زنانہ انش کلاس وینٹنگ روم میں کیوں نہیں لے جاتے؟“ وہ بولا۔

”پھر اتنی دوڑنکٹ لینے کون آئے گا؟“ لڑکی قلی سے ہی مخاطب تھی۔

”نکٹ سینڈ کا چاہیے یا انش کا؟“ نوجوان بھی جیسے قلی سے پوچھ رہا تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے ستائے میں آگئی۔

”قلی! چلو!“ وہ بڑے رعب سے کہنے لگی۔

آگے آگے قلی تھا اور پیچے پیچے وہ۔ اس کی اوپھی ایڈی کی سینڈل زمین پر ایک دل چسپ شور کھیڑ رہی تھی۔

”جگوری میم صاحب!“ قلی نے اس کے چمی بٹوے سے مطاڑ ہو کر کہا۔

”ابھی نہیں ملیں گے پیے۔“ وہ سنگار میز کے سامنے کھڑی، جگوری کی کپکپا دینے والی سردی میں رومال سے پیشانی پوچھ رہی تھی۔

”کاہے؟“ قلی کے موٹے موٹے ہونٹ نکٹ گئے۔

”اکٹھے لے لینا، سمجھے تم! گاڑی پر سامان بھی رکھوادینا اور دیکھو! جیسے ہی نکٹ گھر کھلے، مجھے بتانا آ کر۔ پیے زیادہ ملیں گے۔“

قلی اپنے ناریل جیسے سر پر گزدی لپیٹا چلا گیا اور لڑکی بجائے بیٹھنے کے مختار بانہ ٹھیلنے لگی۔ سامنے نئی پر کوئی کمل میں لپٹا
گلیبلار ہاتھا۔

عجیب مصیبت ہے! وہ دل میں کہنے لگی۔ یہ کم جنت مرد ہر موقع پر آدمیکتے ہیں۔ کچھ نہیں تو سینڈ اور انٹر کا شوہہ ہی
چھوڑ دیا۔ اب اسے کیا معلوم کہ اس نے اس وقت جو کچھ میرے پاس دیکھا، بس تھی میری کل کائنات ہے۔ اپنی کیس اور ہولڈال
اچھے زمانے کی یادگار ہیں۔ چری ہٹوا، ایک سیکل کا تھفا اور یہ برق چلتے وقت خالہ جان کا مانگ لیا تھا کہ مسافر عورتیں میلے کچلے بر قعے
والیاں، دیکھتے ہی بچل بچل کر بیٹھ جاتی ہیں۔

آج ہی دوپہر کو تو چھا جان کی بیماری کا خط ملا تھا۔ اسی جان کا خیال ہے کہ اگر گھر سے کوئی انھیں دیکھنے چلا جاتا تو اچھا تھا،
ورنہ وہ تھی کہیں گے کہ ہم نے تو بھائی کے مرنے کے بعد بھاونج اور سببجے ہتھیجوں کا اتنا خیال کیا کہ پیسے کو پیسانہ سمجھا لیکن وہی نہ ہے
وقت کے ساتھی نہیں۔ بس وہ اتنا ہی سُن کر جانے کو تیار ہو گئی۔ اسی جان نے جانے کب سے تین روپے جوڑ کر کھے تھے، سونکال
کر دیے کہ تم عقیل کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ عقیل بچہ ہی سمجھیں ہے تو لڑکا۔ بس تھی ان کی بات تو مجھے زہر معلوم ہوتی ہے۔ جانے وہ
لڑکیوں کو کیا سمجھتی ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ میں کیا کوئی لذو پیڑا ہوں، جو کوئی کھالے گا اور عقیل کو دیکھ کر ڈر کے مارے اُگل
دے گا۔ آخر سلسلی اور رضیہ بھی تو لڑکیاں ہیں۔ کیسے مزے میں تھا سفر کیا کرتی ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ بھی! وہ بڑے آدمی کی
لڑکیاں ہیں۔ میں نے جواب دیا: واہ! اب تو انھیں بلا مبالغہ ایک درجن روپ کروں کے جھرمٹ میں سفر کرنا چاہیے چونکہ ہم غریب ہیں،
اس لیے ایک ہی کا سفر خرچ لکھنا مشکل ہے۔ کجا ایک نئے محافظت کے ساتھ، جس کی حفاظت خود مجھ پر فرض ہو گی۔ غرض گھنٹوں ان سے
بحث کی، تب کہیں جا کر عقیل صاحب کے پہرے سے نجات ملی۔

کھانی کی کھوں کھوں سے وہ چوکی۔ کمل کی گٹھڑی کھلی اور ایک جھریلوں کا مارا بلکے کے پر جیسے سفید بالوں کا چہرہ اس کے
سامنے تھا۔ وہ اپنی ڈھیلی ڈھالی فرماک، ترشے ہوئے بال اور ٹنک پر رکھے ہوئے ہیئت سے کوئی عیسائی بڑھایا معلوم ہو رہی تھی۔
لڑکی نے ایک سخت تقدیمی لگاہ اس سوکھی موئڑی بڑھایا پر ڈالی اور پھر دل ہی دل میں اس خنک ساتھ پر افسوس کرنے لگی۔
کاش اس پوکھر کے پانی کی طرح ساکت بڑھایا کے بجائے کوئی سمندر کی سی بے چین نوجوان لڑکی یہاں ہوتی، جو اس کے ریشمی سیاہ
بر قعے میں دیکھتے ہوئے چہرے کو ٹنک سے دیکھتی۔

قلی نے اندر آ کر لڑکی کو بتایا کہ نکٹ گھر کھل گیا ہے۔ لڑکی اٹھ کر اس کے ساتھ ہوئی۔ راستے میں وہ برابر ادھر ادھر دیکھتی جاتی
کہ کہیں وہ نوجوان اسے تھرڈ کلاس کا نکٹ لیتے نہ دیکھ لے۔ کیا کہے گا اپنے دل میں وہ، لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ لڑکی نےطمینان سے نکٹ
لے لیا۔

چیخت چتگھاڑتی ہوئی گاڑی پلیٹ فارم کے سینے میں در آئی۔ جب لڑکی قلی کے پیچھے پیچھے دینگ روم سے نکلی، تو اس کی پہلی نظر اسی نوجوان پر پڑی، جو بڑی شان سے سگریت منہ میں دبائے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

”اب کیا ہو؟“ وہ سوچتی ہوئی جلدی جلدی آگے بڑھنے لگی۔ وہ زنانہ ڈبے کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ عورتوں کی کاؤں کاؤں اور زیورات کی جھنکار، یا جیسے عادی مجرم قیدیوں کی ہائے ہتھڑیوں اور یہڑیوں کی تال پر۔ اس پر طرف، مردوں کی ان کو ہدایتیں۔ ”متنی کی امام! سامان نہ کھونے پائے“ ایک دوسرے آدمی اس قیامت کے موقع پر گلا پھاڑ پھاڑ کر گئے رہے تھے: ”خبردار! نقاب نہ مکلنے پائے۔“

لڑکی کا قلی دروازے پر اڑے ہوئے مردوں کے درمیان سے نکل کر ڈبے میں داخل ہونے کی فکر کر رہا تھا کہ پیچھے سے عورتوں اور مردوں کی ایک اور ٹولی اس بھرے ہوئے ڈبے پر حملہ آور ہوئی اور لڑکی بے چاری بیچ میں پھنس کر رہ گئی۔ اس ٹولی کی ایک عورت نے اپنا چاندی کی چوڑیوں میں پھنسا ہوا ہاتھ بر قلع کی گذڑی سے نکلا اور لڑکی کو راستے میں حائل دیکھ کر دھکا دے دیا۔ لڑکی ایک جھکولا کھا کر منجل گئی۔ اس کا دل بے ساختہ چاہا کہ وہ اس عورت کا جھالروں سے مزین برق نوج کر بھاگ جائے یا پھر اسے ریل کے نیچے دھکا دے دے لیکن سامنے جو دیکھا تو وہی نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”ارے قلی! تم مجھے بیہاں کیوں لائے؟“ وہ پوری طاقت سے چلائی اور قلی کو لے کر کسی طرح اس ہجوم سے نکل کر دوبارہ پلیٹ فارم کی پیاس کرنے لگی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے سیکروں میلے کچلے برقے غباروں کی طرح اڑ رہے تھے۔ کاش! وہ بھی ایک ایسا ہی برق اور ہے ہوتی تو کوئی اس پر طنز سے مسکرانے والا نہ ہوتا: اس کے دل کے کسی گوشے میں یہ آرزو پھر پھڑانے لگی۔ وہ ہر پھر کر بلا مقصد ہی درجوں پر لکھی ہوئی عبارت پڑھ رہی تھی۔

فرست، سینکڑ، انثر، زنانہ انژر و دفتا چشم گئی۔ ایک بار عبارت کو پھر پڑھا اور یہ درجہ اسے موسلا دھار بارش میں کسی گھنے درخت کا سایہ معلوم ہونے لگا۔ وہ بلا سوچے سمجھے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ قلی باہر ہی متوج سا کھڑا تھا۔

”لے آؤ سامان!“ وہ ایک دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ ہوئی۔ قلی سامان رکھ کر اسے ایک آنکھ سے گھومنے لگا، جیسے وہ اس کی تہ تک پہنچا چاہتا ہو۔ لڑکی بھانپ گئی۔ اس نے بٹا کھولا اور ایک چمکتی ہوئی آٹھتی اس کی طرف بڑھا دی۔ قلی کا چہرہ، جو حقارت کے جذبات کے باعث بری طرح لٹکا ہوا تھا، ایک دم کھل آٹھا۔ مزدور کو مزدوری چاہیے، اسے کسی کے معاملات سے کیا غرض؟ اس نے آٹھتی کو مل کر دیکھا، جیسے وہ یقین کرنا چاہتا ہو کہ واقعی اس ہلکے چمکے اس باب کی اکھوائی آٹھ آنے بھی ہو سکتی ہے! سیئی کی آواز سن کر قلی اتر گیا اور پھر لڑکی کے عابی ہونٹوں پر ایک مطمئن مسکراہٹ لہرانے لگی۔ وہ دروازے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ نوجوان اور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونے کھڑا اسے میٹھی میٹھی نظروں سے تاک رہا ہے۔

گاڑی کو جمیش ہوئی اور وہ دوڑ کر آگے چلا گیا۔ شیش کی ڈکانیں، خوانے والے اور قلی اس کی نظرؤں کے سامنے سے بھاگ رہے تھے۔ وہ دیر تک کھڑی شیش کی بیٹیوں کو، جواب اندر میری رات میں جگنوکی طرح چمک رہی تھیں، گھورتی رہی۔ آخر گھپ اندر میرے میں اس کی نظریں ٹھوکریں کھانے لگیں۔ اب وہ اپنے ڈبے کی طرف متوجہ ہوئی۔ دوستیوں پر دعور تیس رنگیں لخافوں میں لپٹتی ہوئی تھیں اور ان کے ارد گرد بھاری بکس اور بڑی بڑی پوتلیاں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں کہ کسی کے بیٹھنے کی جگہ ہی نہ تھی۔ تیسری سیٹ پر کونے میں ایک عورت بالکل ڈبی تسلی، بیٹھی اپنے بچے کو دودھ پلارہی تھی۔ اس کے قریب ایک دوسرا چھپ، جوز یادہ سے زیادہ دو سال کا ہو گا، بیٹھا منمنا رہا تھا۔ بالکل سوکھا، ہاتھ پاؤں کی کھال لگکی ہوئی، جیسے وہ پیدائش کے بعد فوراً ہی برآ راست بڑھاپے کی طرف چل دیا ہو۔

ڈبے پر عجیب اضحکال طاری تھا۔ لڑکی بدلت ہو کر اسی سیٹ پر نکل گئی۔

ایک چھوٹے سے شیش پر گاڑی رکی اور لڑکی کا دل پسلیوں سے سر نکرانے لگا۔ اگر کوئی اس وقت اس کا نکٹ دیکھتے تو! اسے بھری یاں آنے لگیں۔ دو منٹ بعد گاڑی چل دی اور لڑکی سوچنے لگی۔

آخر اس منہج سے کیا فائدہ، جو زر اسی رگڑ سے اتر جائے۔ دنیا میں امیر غریب سمجھی تو ہیں، بھلا ایک قیمتی اوقروٹ والے نوجوان سے اس قدر متاثر ہونے کی کیا وجہ؟ آسمان پر صبح کی روشنی رینگتی جا رہی تھی اور تارے سے کانپ رہے تھے۔ گاڑی کی اور شیش پر رکی۔ لڑکی نے دروازے سے سرناکل کر شیش کا نام پڑھا۔ اب اس کی منزل مقصود قریب تھی۔

سوئی ہوئی عورتیں اٹھ بیٹھیں۔ وہ آپس میں جمایاں لے لے کر کسی دوسرے صوبے کی زبان میں با تین کر رہی تھیں۔ ان میں سے ایک بھی لڑکی کی طرف متوجہ نہ ہوئی، جیسے وہ اپنے کالے چہروں کے سامنے اس کے کالے بر قلعے کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھتی تھیں۔ لڑکی نے اپنا اسابت دروازے کے قریب گھیٹ لیا، کیوں کہ آیندہ شیش پر اسے اُرتنا تھا۔ گاڑی رکی اور اس نے جلدی سے اپنا بستر پلیٹ فارم پر لڑھ کا دیا۔ پھر اپنی کیس لے کر اُرتگئی۔ چھوٹا سا شیش۔ گاڑی صرف دو منٹ ٹھیرتی تھی۔

ڑین نے سیٹی دی اور وہ اس نوجوان پر ایک الوداعی نظر ڈالنے کے لیے رکی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یقیناً کسی اگلے شیش پر اترے گا۔ وہ بہت خوش تھی، اس لیے کہ اس نے مغلی کو اس امیر نوجوان سے چھپا لیا تھا، لیکن وہ یہ دیکھ کر ستائے میں آگئی کہ وہ نوجوان اس سے ذرا فاصلے پر کھڑا ڑین میں بیٹھے ہوئے آدمی سے الوداعی مصافی کر رہا تھا۔ لڑکی گھبرا کر قلب کو پکارنے لگی۔ ایک بڑھا آنکھیں ملتا ہوا، بڑھا اور اس کا سامان اٹھا کر چلنے لگا۔ کتنا عجیب اتفاق تھا! جہاں وہ اُتری، وہیں اسے بھی اُرتنا تھا۔ لڑکی تقریباً بجا گئے گئی، اس لیے کہ اب وہ نوجوان سے پہلے گیٹ پاس کر کے تھرڈ کلاس کا نکٹ اس کی نظر سے ٹھپنا چاہ رہی تھی، لیکن جب وہ گیٹ کے قریب پہنچی تو وہ نوجوان گیٹ سے باہر کھڑا اسے آتا دیکھ رہا تھا۔ نکٹ دینے کے لیے رکی کا ہاتھ بڑھتا ہی نہ تھا۔ اس وقت

نکت اس کے ہاتھ میں ایک من کا بوجھ تھا۔ وہ ایک لمحہ تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی، آخر سے نکٹ دیتے ہوئے نکت مان لینا پڑی۔ وہ مضھل قدموں سے باہر نکلی۔ اس وقت اس کی حالت اس شخص کی سی تھی، جس نے اپنے کپڑوں پر پانی کی ایک چھیست پڑے بغیر دریا پار کر لیا ہو لیکن کنارے پر پھسل کر پانی میں شرابور ہو گئے۔ اسے اب نوجوان کیسی نظر نہ آیا۔ شاید وہ اس کی نگاہوں میں اب کوئی درجہ نہ رکھتی تھی۔ یہ احساس اس کے سینے کو برمار ہا تھا۔ وہ تانگے پر بیٹھ کر رو دی۔

چچا کے ہاں اس کا استقبال صرف اس لیے بڑی گرم جوشی سے کیا گیا کہ اس نے بیمار چچا کی عیادت کے لیے تھا سفر کیا تھا لیکن وہ ان گرم جوشیوں کے مقابلے میں بہت سرد کھائی دے رہی تھی۔ اس نے چائے کی ایک پیالی بہت اصرار پر کڑوی دوا کی طرح پی اور کوٹھے پر دھوپ کھانے چلی گئی۔ اس کے پیچھے چچا زاد بہن بھی آگئی۔

”باجی! یہ برقع تو بڑا اچھا سا بناؤ الاتم نے۔“ وہ اس کا بر قرع بھی نیچے سے مارے شوق کے اٹھاتی لائی تھی۔

لڑکی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ سورج کے رُخ پر کھڑی ہو کر بر قرع کو قہر آلوہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر لمبی چوڑی چھت پر مضطربانہ ٹھلنے لگی۔ اسے بر قرع کی تعریف ہوتے ہی سفر کے سارے واقعات رہ کر یاد آنے لگے، جھصیں وہ اپنے دل سے محکر دینا چاہتی تھی۔

اس کی بہن بر قرع پہن کر کھڑی ہو گئی۔

”کتنا لختا ہے! میں بھی بالکل ایسا ہی بناؤں گی۔“ وہ ہر اچھے کپڑے کو دیکھ کر خود بھی ویسا ہی بنانے کو کہا کرتی تھی، لیکن شاید ہی وہ کبھی ایسا کرسکی ہو۔

لڑکی ٹھلتے ٹھلتے اپنا خیال بنانے کے لیے پڑوں کے مکان میں جھاکنے لگی۔ اس نے دیکھا۔

گوبر سے لپے پتے آنکن میں بانس کی گھری چارپائی پر کوئی تہبند باندھے اونڈھا پڑا دھوپ لے رہا تھا۔ چارپائی پر سرہانے کی طرف بیڑی کا بندل اور دیا سلالی کی ڈیماڑ کھی ہوئی تھی۔ پھنس کے چھپر میں ایک ادھیز عمر کی عورت بیٹھی باجرے کی موٹی موٹی روشنیاں تھوپ رہی تھیں۔

دھوپ کھانے والے نے کروٹ بدلي اور لڑکی کا دل دھڑکتے دھڑکتے جیسے ایک لمحہ کے لیے تھک گیا ہو۔

وہی شیشناں کا امیرزادہ! اچانک دونوں کی نظریں چار ہو کیں۔ نوجوان نے مھرتی سے کروٹ بدال لی۔

چھپر میں ایک گھوٹی پر قیمتی اور کوٹ جھول رہا تھا۔

”تو! ایس مکان میں کون رہتا ہے اب؟“ لڑکی نے اپنی بہن سے سوال کیا، جو بر قرع پہنے اب تک بھی معلوم کر رہی تھی کہ وہ کیسی لگتی ہے؟

”ایک بیوہ! اور اس کا ایک لڑکا بھی ہے۔ شہر میں پڑھتا ہے۔ باجی! بے چاری بڑی سیدھی عورت ہے۔ ہمارے ہاں کے سارے کپڑے بھی سنتی ہے لیکن جج مانو، مسلمانی بہت کم لیتی ہے۔“
لڑکی سورج کے رخ پر کھڑی بر قعے کو گھور رہی تھی۔

(سب افسانے میرے)

مش

- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیے:

(الف) قلی نے لڑکی کو پلیٹ فارم پر بیٹھ جانے کے لیے کہا تو اس پر لڑکی نے کس روئیے کا اظہار کیا؟

(ب) لڑکی سفر کیوں کر رہی تھی؟

(ج) مگر والوں نے عقیل کو ساتھ لے جانے کا مشورہ دیا تو اس پر لڑکی نے کیا جواب دیا؟

(د) لڑکی شیش پیچی تو اس نے سب سے پہلے کیا دیکھا؟

(ه) لڑکی جس ڈبے میں سوار ہوئی، اس کا ماحول کیا تھا؟

— ۲۔ — متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) سبق "طبع" کے مآخذ کا نام کیا ہے؟

(i) وہ لوگ سب افسانے میرے
(ii) سب افسانے میرے

(iii) ہائے اللہ چوری چھپے
(iv) چوری چھپے

(ب) جب لڑکی ریلوے شیش پیچی تو گاڑی آنے میں کتنی دریتی ہی؟

(i) پندرہ منٹ
(ii) آدھا گھنٹا

(iii) ایک گھنٹا
(iv) چند منٹ

(ج) سبق "طبع" اصناف ادب کے لحاظ سے کیا ہے؟

(i) داستان افسانہ
(ii) داستان افسانہ

(iii) مضمون ناول
(iv) مضمون ناول

(د) ”مُلْعَن“، کس کی تحریر ہے؟

- | | |
|--|-------------------------|
| (i) خدیجہ مستور | (ii) ہاجرہ مسرور |
| (iii) سجاد حیدر یلدزم | (iv) اشرف صبوحی |
| (v) لڑکی نے قلی کو لئی رقم دی؟ | |
| (vi) آٹھتی | (vii) ایک روپیا |
| (viii) پانچ کانوٹ | (ix) دس روپے |
| (x) لڑکی کے سفر کا مقصد تھا: | |
| (xi) سیر پاتا | (xii) بیمار پچاکی عیادت |
| (xiii) خالہ زاد بہن کی شادی میں شرکت | (xiv) چھٹیاں گزارنا |
| (xv) لڑکی نے ریل کا سفر کس درجے میں کیا؟ | |
| (xvi) اثر | (xvii) اول |
| (xviii) دوم | (xix) اے سی |

۳۔ لڑکی پر امیرزادے کی اصلیت کیسے واضح ہوئی؟

۴۔ سبق کے متن کو مدد نظر کر کر درست یا غلط پر نشان (✓) لگائیں:

غلط

درست

(الف) ”گاڑی ہمیشہ لیٹ رہتی ہے۔“ قلی نے کہا۔

(ب) لڑکی کو ماموں کی بیماری کا خط ملا تھا۔

(ج) قلی ایک روپے کا سکے پا کر خوش ہو گیا۔

(د) پچاکے ہاں لڑکی کا استقبال خوشی سے کیا گیا۔

۵۔ اردو میں اسم کی بخلاف جنس دو قسمیں ہیں، مذکور اور موئنت۔ جنہی ہرام، چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان، مذکور ہو گایا موئنت۔

اگرچہ ماہرینِ قواعد نے تذکیرہ و تانیث کے کچھ اصول بنائے ہیں لیکن عام طور پر تذکیرہ و تانیث اہل زبان کے بول چال ہی کے تابع ہوتے ہیں اور بے جان اسموں کی تذکیرہ و تانیث کے سلسلے میں بھی اہل زبان کی لفظوں ہی سند قرار پاتی ہے۔

مندرجہ ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کی تذکیرہ و تانیث واضح ہو جائے:

مرقع، قلی، سڑک، لائیں، لب، پیشانی، فرض، سائنس، گذری

۶۔ اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

۷۔ سبق "ملائع" کا سیاق و سباق ذہن میں رکھ کر درجن ذیل تشریف اور کمیٹی کی تشریح کیجیے:

(الف) ارے قلی! تم مجھے _____ عبارت پڑھ رہی تھی۔

(ب) لڑکی کا قلی دروازے پر _____ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

۸۔ اردو میں دوسری زبانوں کے الفاظ جذب کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زبان دسیوں زبانوں کے الفاظ اپنے اندر سمونے ہوئے ہوئے ہے۔ ایک زمانے تک اس پر فارسی اور عربی الفاظ کا غالب رہا۔ اب کچھ عرصے سے انگریزی الفاظ بھی تیزی سے اس کا حصہ بننے لگے ہیں۔ آپ اس افسانے میں استعمال ہونے والے انگریزی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کریں۔

سرگرمیاں

۱۔ اس افسانے میں آپ کا پسندیدہ کردار کون سا ہے؟ اپنے لفظوں میں اس کا تعارف کرائیں اور پسندیدگی کی وجہ بھی لکھیں۔

۲۔ ہاجرہ مسروہ کا کوئی اور افسانہ جماعت میں پڑھ کر سنا کیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

۱۔ ہاجرہ مسروہ کا تعارف کرایا جائے۔

۲۔ طلبہ کے سامنے اپنے افسانے کے پلاٹ، کردار، فضا اور دیگر فنی لوازم کیوضاحت کی جائے۔

۳۔ طلبہ کو افسانے کی بالعموم اور اس افسانے کی بالخصوص اہم خصوصیات بتائی جائیں۔

شفیع عقیل

(۱۹۳۰ء۔۲۰۱۳ء)

شفیع عقیل لاہور کے قریب واقع ایک گاؤں تھینہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک معروف صحافی، ادیب اور شاعر تھے۔ ناساز گار حالات کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ ملازمت کے ساتھ ادیب فاضل اور نشی فاضل کے امتحان پاس کیے۔ بیس سال کی عمر میں لاہور سے کراچی چلے گئے اور مجید لاہوری کے رسائلے ”نمک دان“ سے وابستہ رہے۔ بعد ازاں ”اخبار جہاں“ اور روزنامہ ”جنگ“ سے ملک ہو گئے۔

ان کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے۔ ان کے ترجمے یہ ہیں کہ ان پر طبع زاد ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ ان کا زیادہ تر کام لوک داستانوں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے لوک کہانیوں کے ترجمے بھی کیے۔ مختلف لوک داستانوں کو اردو میں منتقل کر کے انہوں نے ایک بڑی ثقافتی اور علمی و ادبی خدمت انجام دی ہے۔

ان کی تصانیف و تالیفات میں پنجاب کی لوک کہانیاں، پنجابی لوک داستانیں، چینی لوک کہانیاں، جاپانی لوک کہانیاں، ایرانی لوک کہانیاں، پیزس بھر پرس ہیں، مجید لاہوری، ادبی مکالیں اور ہماری منزل: غازی یا شہید شامل ہیں۔ ان کی ایک تصنیف پنجاب رنگ پر انھیں رائز گلڈ کی طرف سے انعام بھی ملا۔ آپ کراچی میں مقیم اور بطور صحافی روزنامہ ”جنگ“ سے وابستہ تھے۔

چغل خور

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ پر لوک داستان کا مفہوم واضح کرنا۔
- ۲۔ چغل خوری جیسی اخلاقی برائی کے ذور س منفی سماجی نتائج کو واضح کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو باور کرانا کہ چغل خوری، فتنہ پروری، غیبت اور بدھوئی، اخلاقی اور اسلامی لحاظ سے قابل نعمت افعال ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔

[اس سبق میں چغل خور کے بیانات جھوٹ کی ذمیں میں آتے ہیں اور یہ چغل خوری کی بجائے فتنہ پروری زیادہ ہے۔ یہ لوک کہانیاں یا لوک داستانیں کسی معاشرے، تہذیب اور زبان کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔ ان کہانیوں کے مصنف کا کسی کو اتنا پتا نہیں ہوتا۔ یہ کہانیاں سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے ذریعے سے محبت، ایثار، خلوص، مردود، اتحاد، دوستی اور بہادری جیسی صفات معاشرے میں پروان چڑھتی ہیں اور نسلوں کی کردار سازی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔]

انگلے و قتوں کی بات ہے کسی گاؤں میں ایک چغل خور رہتا تھا۔ دوسروں کی چغلی کھانا اور ایک کی بات دوسرے سے کرنا اس کی عادت تھی اور لاکھ کوشش کے باوجود وہ اپنی عادت کو نہ چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے بارہا اس بات کا ارادہ کیا کہ اب کسی سے کسی کی چغلی نہیں کھائے گا، ایک کی بات دوسرے سے نہیں کہے گا لیکن ہر بار وہ اپنے اس ارادے میں ناکام ہو جاتا۔ دراصل وہ اپنی عادت سے بھجو رہا اور اسی عادت کی وجہ سے اسے اپنی ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے تھے، چنانچہ وہ بے کار رہا۔ اس نے دوسری ملازمت کی بھیری کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کچھ دن تک تو وہ اپنی جمع پوچھی پر گزر بر سر کرتا رہا لیکن جب تھوڑا اٹھوڑا کر کے اس کا سارا سرمایہ ختم ہو گیا تو بہت پریشان ہوا۔ اس نے نوکری اور مزدوری کے لیے سرتوڑ کوشش شروع کر دی کہ کہیں فاقوں کی نوبت نہ آجائے۔ مختلف لوگوں سے کہا، درد کی خاک چھانی، ایک ایک کے پاس گیا مگر مصیبت یہ تھی کہ چغل خور ہونے کی وجہ سے اسے کوئی بھی اپنے پاس ملازم رکھنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ گاؤں کے تمام لوگ اس سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کی چغلی کھانے کی عادت کے بارے میں جانتے تھے، اس لیے اسے کوئی بھی منہ نہ لگاتا تھا۔ آخر جب وہ مسلسل ناکامیوں سے نکل آگیا اور نوبت واقعی فاقوں تک آپنچی تو اس نے دل میں سوچا: ”اس گاؤں کو چھوڑ دینا چاہیے اور کہیں اور چل کر قسمت آزمائی کرنی چاہیے۔“

چنانچہ اس نے تھوڑا بہت ضروری سامان لیا اور گاؤں چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا تاکہ کسی دوسرے گاؤں یا شہر میں جا کر محنت مزدوروی کرے۔

چلتے چلاتے وہ ایک اور گاؤں میں جا پہنچا۔ یہ گاؤں اس کے لیے نیا تھا اور اسے وہاں کوئی نہیں جانتا تھا، اس لیے اسے امید تھی کہ یہاں نوکری مل جائے گی، لہذا وہ ایک کسان کے پاس گیا اور اس سے کہا: ”مجھے آپ اپنی ملازمت میں رکھ لیں۔“ کسان نے اس سے دریافت کیا: ”تم کیا کام کر سکتے ہو؟“

چغل خور نے جواب دیا: ”مجھے کھتی باڑی کا سارا کام آتا ہے۔ یہ کام میں اچھی طرح کر سکتا ہوں۔“

اتفاق کی بات یہ کہ وہ کسان اکیلا تھا اور کھیتوں کے کام کا ج میں اس کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہ تھا۔ اسے ایک ملازم کی ضرورت بھی تھی، اس لیے اس نے سوچا، چلو اسے ہی ملازم رکھ لیتا ہوں۔ یہ بھی ضرورت مند ہے اور میرا بھی کام ہلاکا ہو جائے گا۔ یہی سوچ کر اس نے چغل خور سے پوچھا: ”اگر میں تمھیں اپنے پاس ملازم رکھ لوں تو تم کیا تنخواہ لو گے؟“

اس پر چغل خور نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: ”کچھ نہیں! میری کوئی تنخواہ نہیں ہے۔“

کسان کو اس کی بات سن کر بڑا تجھب ہوا کہ کام کرے گا اور تنخواہ نہیں لے گا۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اس نے حیرانی سے کہا: ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

جواب میں چغل خور کہنے لگا: ”آپ مجھے صرف روٹی کپڑا دے دیں اور اس کے ساتھ ایک بات کی اجازت! اس بھی میری تنخواہ ہے۔“

کسان پوچھنے لگا: ”کس بات کی اجازت؟“

چغل خور بولا: ”آپ مجھے صرف اتنی اجازت دے دیں کہ میں چھٹے ماہ کے بعد آپ کی صرف ایک چغلی کھالیا کروں۔“

چغل خور کی یہ بات تو اپنی جگہ بڑی عجیب تھی لیکن کسان نے اپنے دل میں سوچا: ”مفت کا نوکریں رہا ہے، خالی روٹی کپڑے میں کیا رہا ہے؟“ پھر اس نے اپنے آپ کو آمادہ کرنے کے لیے کہا: ”چھٹے ماہ بعد ایک چغلی کھاتا ہے تو کھالے، میرا کیا جاتا ہے؟ یہ کسی سے میری چغلی کھا کر میرا کیا بگاڑ لے گا؟ میرے پاس کون سے راز ہیں جو ظاہر ہو جائیں گے؟“ ”مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔“

چنانچہ چغل خور کسان کے پاس ملازم ہو گیا۔ وہ کام بھی اُسی کا کرتا تھا اور اُسی کے گھر میں رہتا بھی تھا۔ روزانہ صح سو بیوے کسان کے ساتھ کھیتوں میں چلا جاتا، بیلوں کے لیے چارا کاشتا، ہل چلا تا، گاہی کرتا اور اس طرح کام میں کسان کا براہ کا ہاتھ بٹاتا تھا۔

دن گزرتے گئے اور کسان کو یہ بات بھی بھول گئی کہ چھٹے ماہ بعد چغل خور نے ایک چغلی کھانے کی اجازت مانگی تھی اور اس

نے چغلی کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ کسان اس عرصے میں یہ تمام باتیں بھول چکا تھا۔

اور چغل خور کو کسان کے ہاں ملازم ہوئے چھے ماہ بیت چکے تھے اور اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی سے کسان کی کوئی چغلی کھائے۔ وہ چھے ماہ سے اب تک اپنی اس عادت پر جر کیے ہوئے تھا مگر اب معابرے کی مدت ختم ہونے پر اپنے آپ پر قابو پانا اس کے بس میں نہ تھا، چنانچہ جب وہ اپنی عادت سے بالکل مجبور ہو گیا تو اس نے سوچا، اب چاہے کچھ ہو، میں کسان کی چغلی ضرور کھاؤں گا اور اب تو معابرے کے مطابق میراث بھی ہے۔

ایک روز کسان حب معمول اپنے کھیتوں میں گیا ہوا تھا اور گھر میں اس کی بیوی اکیلی تھی۔ یہ دیکھ کر چغل خور کسان کی بیوی کے پاس گیا اور بڑا ہمدرد بنتے ہوئے کہنے لگا: ”اگر تم مرانہ مانوت تو تمیں تم سے ایک بات کہوں؟“

کسان کی بیوی بولی: ”ضرور کہو! اس میں مرانے کی کیا بات ہے؟“

چغل خور اور بھی زیادہ ہمدردی جاتے ہوئے بولا: ”اس میں تھمارا ہی بھلا ہے۔“

یہ سن کر کسان کی بیوی کو کچھ شک سا ہو گیا۔ اُس نے دل میں سوچا، ہونہ ہو کوئی خاص بات ضرور ہے۔ یہی خیال کر کے وہ کہنے لگی: ”پھر تو ضرور کہو! وہ کیا بات ہے؟“

جواب میں چغل خور بڑے رازدارانہ انداز میں بولا: ”درachi کسان کو کوڑھی ہو گیا ہے۔ اُس نے اپنی یہ بیماری اب تک تم سے نہ پائے رکھی ہے۔“

”کوڑھی ہو گیا ہے؟“ کسان کی بیوی نے چونک کر پوچھا۔

اسے بڑا تجھ بہوا۔ یہ بات اُس کے لیے جس قدر ترقی تھی، اُس سے کہیں زیادہ جیران گن بھی تھی۔

چغل خور نے جب اپنا تیر نشانے پر بیٹھا دیکھا تو بولا: ”اگر چھین لیقین نہ آئے تو آزمائے دیکھلو۔“

اب تو کسان کی بیوی بھی سوچ میں پڑ گئی۔ اُس نے دل میں سوچا، ہو سکتا ہے ملازم ٹھیک ہی کہ رہا ہو۔ بھلا اُس کو مجھ سے ایسا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ لہذا اس نے جلدی سے پوچھا: ”مگر میں کیسے آزماؤں؟“

چغل خور جھٹ سے کہنے لگا: ”اس میں کیا مشکل ہے؟“

پھر اُس نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا: ”جو آدمی کوڑھی ہو جائے اس کا جسم نہیں ہو جاتا ہے اگر تم یہ جانتا چاہتی ہو کہ کسان کوڑھی ہو گیا ہے یا نہیں تو کسان کے جسم کوڑھی سے چاٹ کر دیکھ سکتی ہو۔“

کسان کی بیوی کو چغل خور کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے سوچا، اس سے نوکر کے جھوٹ تھے کاپتا چل جائے گا۔ اُس نے کہا:

”اچھا! کل جب میں کسان کا کھانا لے کر کھیتوں میں جاؤں گی تو کسان کے جسم کو چاٹ کر ضرور دیکھوں گی۔“

چغل خور کسان کی بیوی سے یہ بتیں کر کے سیدھا کھیتوں کی طرف چل دیا۔ جہاں کسان پہلے ہی سے کھیتی باڑی کے کاموں میں لگا ہوا تھا۔ درachi اُن دونوں فصل پک چکی تھی، جس کی وجہ سے کسان دو روز سے اپنے گھر نہیں گیا تھا۔ اُسے رات کو بھی

کھیتوں ہی میں رہنا پڑتا تھا۔ چغل خور کسان کے پاس پہنچا اور اس سے بڑی رازداری سے کہنے لگا: ”تم ادھر کھیتوں میں کام کرتے مبھر رہے ہو اور ادھر تھماری یہ یوں پاگل ہو گئی ہے۔“

کسان بڑا حیران ہوا۔ اُس نے تجھ سے پوچھا: ”تم کیا کہ رہے ہو؟“

چغل خور نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا: ”میں سچ کہ رہا ہوں، وہ تو پاگل پن میں آدمیوں کو کامنے دوڑتی ہے۔“

کسان سارا کام کا ج چھوڑ کر سوچ میں پڑ گیا۔ اُس نے اپنے دل میں سوچا، فوکٹھیک ہی کہ رہا ہوگا، بھلا اُسے کسی قسم کا جھوٹ بولنے کی کیا پڑی ہے؟ ہو سکتا ہے میری یہ یوں واقعی پاگل ہو گئی ہے۔ چغل خور نے جب کسان کو اس طرح شش و پنج میں بتلا دیکھا تو بولا: ”اگر تمھیں میری بات پر یقین نہیں تو کل جب وہ کھانا لے کر آئے، اس وقت دیکھ لینا۔“

اس پر کسان کہنے لگا: ”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ آج رات تو مجھے کھیتوں ہی میں رہنا ہے، کل جب وہ کھانا لے کر آئے گی تو دیکھ لوں گا۔“

چغل خور نے جب یہ جان لیا کہ کسان اس کی باتوں میں آگیا ہے تو وہاں سے چلا آیا اور کسان کے سالوں کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ان سے کہا: ”تم لوگ یہاں مزے کر رہے ہیں اور تمھارا بہنوئی تھماری بہن کو روز مار کر ادھر مُواکر دیتا ہے۔ وہ اس ظالمانہ طریقے سے مارتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔“

کسان کے سالوں نے چغل خور کی یہ بات سنی تو بہت پریشان ہوئے لیکن انھوں نے اس سے کہا: ”مگر ہماری بہن نے تو ہمیں یہ کبھی نہیں بتایا؟“

اس پر چغل خور بولا: ”وہ بے چاری شرم کے مارے تمھیں کچھ نہیں بتاتی، ورنہ اسے تو کسان اس بُری طرح مارتا پہنچتا ہے کہ وہ ہلکاں ہو جاتی ہے۔ کھیتوں میں سب کے سامنے اس کی بے عزتی کرتا ہے۔“

”لیکن ہم تھماری بات پر کیسے یقین کر لیں؟“

اس پر چغل خور جھٹ سے بول پڑا: ”اگر تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ میں جھوٹ کہ رہا ہوں تو کل دوپہر کو جب تھماری بہن کھانا لے کر کھیتوں میں جائے گی، اس وقت تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا، کسان اسے کس طرح مارتا ہے۔“

کسان کے سالے یہ بات سن کر غصے میں تملانے لگے۔ بھلا وہ اپنی بہن کی بے عزتی کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ انھوں نے چغل خور سے کہا: ”اچھا کل ہم کھیت میں بھٹپ کریں سب کچھ آنکھوں سے دیکھیں گے۔“

چغل خور وہاں سے رخصت ہو کر سیدھا کسان کے بھائیوں کے پاس گیا اور ان سے جا کر کہا: ”بڑے افسوس کی بات ہے۔ تم لوگ سب ایک ماں کے بیٹے ہو اور پھر بھی اپنے بھائی کی مدد نہیں کر سکتے۔“

کسان کے بھائیوں نے اس سے تجھ سے پوچھا: ”کیا ہوا؟ یہ تم کیا کہ رہے ہو؟ ہم کس کی مدد نہیں کرتے؟“

اس پر چغل خور نے روہاں سامنہ بنا کر جواب دیا: ”تمھارا بھائی سخت مصیبت میں گرفتار ہے، اس کے سالے ہر چوتھے

روز آکر اسے زد کوب کرتے ہیں اور ایک تم ہو کہ تمھیں اس کی خبر نہیں۔ کسان کے بھائی یہ سن کر پریشان سے ہو گئے اور کہنے لگے: ”مگر ہمارے بھائی نے تو کچھ نہیں بتایا۔“

چغل خور بولا: ”وہ تم سے کیا کہے؟ بے چارہ اپنی شرافت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا اور خاموشی سے یہ بے عزتی برداشت کر لیتا ہے۔“

جواب میں بھائی کہنے لگے: ”ہمیں تو تمھاری بات پر یقین نہیں آ رہا.....!“

یہ سن کر چغل خور نے کہا: ”اگر تم لوگوں کو میری بات کا یقین نہیں تو کل دوپہر کو آ کر اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ لینا کہ کس طرح کسان کے سالے اسے مارتے ہیں۔“

کسان کے بھائی غصے میں تسلسل نے لگے۔ انہوں نے کہا: ”اچھا! ہم کل دیکھ لیں گے، وہ ہمارے بھائی کو کس طرح ہاتھ لگاتے ہیں۔ ابھی ہم مرے نہیں۔“

اس طرح چغل خور سب لوگوں سے یہ باتیں کہ کروا پس آ گیا اور اپنے کام کا ج میں وہ اس طرح آ کر مصروف ہو گیا کہ کسی کو کافی کافی کان اس بات کی خبر نہ ہوئی کہ کہاں گیا تھا اور کہاں سے آیا ہے۔

دوسرے روز دوپہر کو جب کسان کی بیوی کھانا لے کر کھیتوں میں آئی تو کسان نے انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی احتیاط سے اس کی ہر حرکت کا جائزہ لے رہا تھا کیوں کہ اس کے دل میں تھا کہ کہیں پاگل ہونے کی وجہ سے وہ اسے کاٹ نہ کھائے، اس لیے وہ اس کے قریب ہونے سے ڈرتا تھا۔ دوسری طرف کسان کی بیوی کی یہ کوشش تھی کہ کسان کسی طرح اس کے قریب ہوا اور زوہ اس کو کاٹ کریا اسے زبان لگا کر دیکھ سکے کہ نہیں ہے یا نہیں۔ جوں ہی وہ چھاچھ کا مٹکا اور روٹیوں کی چنگیری زمین پر کھکھل کر بیٹھی، کسان جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی بیوی بھی روٹیوں کی چنگیری آگے بڑھانے کے بھانے سے قدرے آگے سرک آئی اور پھر جوں ہی کسان نے روٹی کپڑنے کو ہاتھ آگے بڑھایا، اس نے جھپٹ کر اس کی کلامی پکڑ لی اور اسے چانے کے لیے آگے بڑھی۔ کسان اچھل کر دوڑھٹ گیا۔ اب تو اسے پا یقین ہو گیا تھا کہ واقعی اس کی بیوی پاگل ہو گئی ہے اور کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔

کسان کو نوکر کی بھی ہوئی بات حق معلوم ہو رہی تھی۔ اُدھر اس کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ کسان اسے جنم چاٹ کر دیکھنے نہیں دے رہا تو اس بات کا یقین ہو گیا کہ کسان واقعی نوکر ٹھیک کہ رہا تھا۔

اُس نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر کسان کی کلامی پکڑنے کی کوشش کی۔ یہ دیکھ کر کسان نے آؤ دیکھانہ تاؤ، پاؤں سے جوتا اُتار کر دیں بیوی کی ٹھکانی شروع کر دی۔ جوں ہی اس نے بیوی پر جوتے بر سانے شروع کیے، قریب ہی کھیت میں چھپے ہوئے کسان کے سالے باہر نکل آئے:

”واقعی نوکر ٹھیک کہ رہا تھا۔“

آن کے سامنے آن کی بہن کی پٹائی ہو رہی تھی، بھلا پھر وہ کیوں نہ یقین کرتے۔ وہ سارے کے سارے لے لکارتے ہوئے آگے بڑھے اور کسان پر ٹوٹ پڑے: ”آج دیکھتے ہیں، تم ہماری بہن کو کس طرح مارتے ہو؟“

ان کا آگے بڑھنا تھا کہ دوسرے کھیت میں چھپے ہوئے کسان کے بھائیوں نے دیکھا: ”واقعی نوکرنے ہمیں صحیح اطلاع دی تھی۔“

انھوں نے جواب میں کسان کے سالوں کو لکرا: ”آج دیکھتے ہیں، تم ہمارے بھائی کو کس طرح مارتے ہو؟“

اور اس کے بعد وہ سب ایک دوسرے پر پل پڑے۔ وہ سر پھول ہوئی، وہ لاٹھیاں چلیں کہ سب خون میں نہا گئے۔ آخر اردو گرد کے کھیتوں میں کام کرنے والے دوسرے لوگ بھاگ کر آئے اور انھوں نے بیچ بچاؤ کر کے انھیں ایک دوسرے سے الگ کیا۔ پھر جب ان سب کا غصہ قدرے کم ہوا تو ان سے لوگوں نے پوچھا: ”تم لوگ اس طرح کیوں لڑ رہے تھے؟“

اس پر سب نے اپنی اپنی بات بتائی کہ یوں تو کہ ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے یہ بتایا تھا۔ اس طرح جب سب اپنی بات بتا چکے تو پتا چلا کہ:

یہ سب کچھ چغل خور کا کیا دھرا ہے۔

وہ سارے کے سارے مل کر چغل خور کی ملاش میں چلے گئے اس وقت تک چغل خور وہ گاؤں چھوڑ کر کہیں اور جا چکا تھا۔ کہتے ہیں وہ دن اور آج کا دن، چغل خور کا کہیں پہانہ چل سکا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی کوئی چغل خور نہیں مانتا کہ وہ چغل خور ہے۔ دراصل اسے اس بات کا ذرہ ہے کہ اگر اس نے یہ بات تسلیم کر لی کہ وہ چغل خور ہے تو کسان، اس کے سالے اور اس کے بھائی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے، اسی لیے ہر چغل خور، چغل خور کہنے پر ناراض ہو جاتا ہے۔

(پنجابی لوک داستانیں)



مشق

1۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجیے:

- (الف) کسان نے چغل خور کو کن شرائط پر ملازم رکھا؟
- (ب) چغل خور نے کسان کی بیوی کو کیا کہ کر بدگمان کیا؟
- (ج) ہر چغل خور کس بات کو مانے سے انکار کرتا ہے؟
- (د) چغل خور کو اپنی بُری عادت سے کیا تقصیان اٹھانا پڑتا ہے؟

۲۔ لوک کہانی کی مختصر تعریف کیجیے۔

۳۔ سبق "چغل خور" کے متن کو سامنے رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) سبق "چغل خور" مصنف کی کس کتاب سے ماخوذ ہے؟

(i) پنجابی لوک داستانیں (ii) چینی لوک کہانیاں

(iii) چاپی لوک کہانیاں (iv) پنجاب کی لوک کہانیاں

(ب) چغل خور کہاں رہتا تھا؟

(i) گاؤں میں (ii) قصبه میں

(iii) شہر میں (iv) بیرونی ملک

(ج) اپنے گاؤں کو چھوڑ کر چغل خور کہاں پہنچا؟

(i) دوسرے گاؤں (ii) دوسرے شہر

(iii) بڑے قصبه (iv) دینی

(د) چغل خور کون سا کام جانتا تھا؟

(i) لکڑی کا (ii) معماری کا

(iii) لوہ کا (iv) کھیتی باڑی کا

(ه) چغل خور نے روٹی کپڑے کے علاوہ تنگواہ کے بجائے کیا رعایت مانگی؟

(i) جسمے ماہ بعد ایک چغلی کھانے کی (ii) ہر عید پر دس چھیاں

(iii) ایک سور و پے (iv) دوسرو پے نقداً اور ایک چغلی

(و) چغل خور نے کیا بتایا کہ کوڑھی کا جسم ہو جاتا ہے؟

(i) نمکین (ii) میٹھا

(iii) کھٹا (iv) کڑوا

(ز) چغل خور اس لپی نہیں مانتا کہ وہ چغل خور ہے کہ:

(i) اسے ملازمت نہیں ملتی (ii) وہ اسے جھوٹ سمجھتا ہے

(iii) کسان کے بھائیوں اور سالوں سے ڈرتا ہے (iv) اسے اپنی بے عزتی سمجھتا ہے

(ح) چغل خور کو چغل خور کہیں تو وہ:

- (i) لڑپڑتا ہے
- (ii) بھاگ جاتا ہے
- (iii) ناراض ہو جاتا ہے
- (iv) شرم سار ہو جاتا ہے

۔ ۴۔ سبق "چغل خور" کے متن کو مد نظر کر کر درست یا غلط پر نشان (۷) کا میں:

- | | |
|------------|--|
| درست / غلط | (الف) چغل خور کھتی باڑی کا کام جاتا تھا۔ |
| درست / غلط | (ب) چغل خور نے کسان کی بیوی کو بتایا کہ کسان کا جسم نمکین ہو گیا ہے۔ |
| درست / غلط | (ج) چغل خور نے کسان سے کہا کہ تمہاری بیوی پاگل ہو گئی ہے۔ |
| درست / غلط | (د) کسان کے سالوں نے چغل خور کی چٹانی کو جھوٹ جانا۔ |
| درست / غلط | (ه) جب چغل خور کی اصلیت کھل گئی تو سب اس کی حلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ درست / غلط |

۔ ۵۔ سبق کے متن کو مد نظر کھیں اور تو سین میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ چن کر خالی جگہ پر کبھی:

- | |
|---|
| (الف) چغل کھانا چغل خور کی _____ ہوتی ہے۔ (فطرت، عادت، حیثیت) |
| (ب) چغل خور نے کسان کی بیوی کو بتایا کہ وہ _____ ہو گیا ہے۔ (باڈا، کوڑھی، پاگل) |
| (ج) چغل خور نے کسان سے _____ بعد ایک چغل کھانے کی اجازت مانگی۔ (ایک ماہ، چھٹے ماہ، نوماہ) |
| (د) چغل خور کو چغل خور کہا جائے تو وہ _____۔ (لڑپڑتا ہے، بھاگ جاتا ہے، ناراض ہو جاتا ہے) |
| (ه) چغل خور کی چغل خوری کا نتیجہ _____ کی صورت میں نکلا۔ (طلاق، سرہنہول، قتل و عارت) |

۔ ۶۔ اس لوگ کہانی کا غالباً اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

۔ ۷۔ مندرجہ ذیل محاورات اور الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

تملنا، ادھنوا، بلکان ہونا، کانوں کا نخبر نہ ہونا، شش و پنج میں جتنا ہونا، درد کی خاک چھانا

جملہ مفترضہ:

جملہ مفترضہ ایسا الفاظ یا جملہ ہوتا ہے جو وضاحت یا افسر کے لیے لکھا یا بولا جاتا ہے۔ اس کے ہونے سے یاد ہونے سے فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کے نہ ہونے سے بات میں یک گونہ تلقینی کا احساس ہوتا ہے۔ چند جملے ملاحظہ کیجیے:

۱۔ غبارِ خاطر (مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط کا مجموعہ) کا تازہ ایڈیشن مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

۲۔ بلاں (پروفیسر فاروق کا بیٹا) جماعت میں اول آیا ہے۔

- ۱۔ کسی کی پیشہ پیچے برائی کرنا یا کسی سے غلط باتیں منسوب کرنا فتنہ پروری ہے۔ اس کے نقصانات پر دس بارہ سطروں کا نوٹ لکھیے۔
- ۲۔ طلبہ اپنے استاد سے پوچھ کر کسی اور مصنف کی کوئی لوک کہانی پڑھیں۔
- ۳۔ بری عادتیں کیسے ترک کی جائیں؟ اپنے استاد سے پوچھ کر کم از کم تین نکات لکھیں۔

اسامندہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کو توجہ دلائی جائے کہ چغلی، غبہت، جھوٹ، گالی دینا اور دیگر اخلاقی عیوب بڑی برائیاں ہیں۔
- ۲۔ طلبہ سے ایسی سماجی برائیوں کی فہرست تیار کرائیں جو ہمارے ہاں عام ہیں، پھر طلبہ سے وعدہ لیا جائے کہ وہ ہمیشہ ان سے بچتے رہیں گے۔
- ۳۔ طلبہ کو لوک کہانی کے مفہوم اور اخلاقی مقصد سے آگاہ کیا جائے۔

مولوی عبدالحق

(۱۸۷۲ء۔۱۹۶۱ء)

مولوی عبدالحق ضلع میرٹھ یوپی کے ایک گاؤں ہاپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فیروز پور میں حاصل کی اور مزید تعلیم کے لیے ایم اے اوکانج علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ یہاں وہ پروفیسر آر علڈ اور مولا ناشیلی کے شاگرد اور مولا ناظف رعلی خاں کے ہم جماعت رہے۔ ۱۸۹۳ء میں بی اے کے حیدر آباد کن چلے گئے۔ چند سال تک مدرسہ آصفیہ کے صدر مدڑس کے فرائض انجام دیے، پھر عکھہ تعلیم میں مختلف عہدوں پر کام کیا۔ اور نگ آباد کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ بعد ازاں جامعہ عثمانیہ میں صدر شعبہ اردو رہے۔ ۱۹۱۲ء میں انجمن ترقی اردو کے سینکڑی مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں طازمت سے سبک دوش ہو کر اردو زبان و ادب کو ترقی دینے میں ہمہ تن معروف ہو گئے۔ ۱۹۳۹ء میں پاکستان آگئے۔ ۱۹۶۱ء تک انجمن ترقی اردو پاکستان کے صدر رہے۔ ان کی خدمات زبان و ادب اردو کے اعتراض میں ال آباد یونیورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انھیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں عطا کیں۔

مولوی عبدالحق ایک بلند پایہ تحقیق و نقاد، ماہر لغت نگار اور عمدہ انشا پروداز تھے۔ انہوں نے اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے پوری عمر جاں فشاری سے کام کیا۔ اردو کو پاکستان کی سرکاری، دفتری اور ذریعہ تعلیم کی زبان بنانے کے لیے وہ عمر بھر کوشش رہے۔ وہ اردو یونیورسٹی قائم کرنا چاہتے تھے مگر ان کی زندگی میں تو یہ ممکن نہ ہوتا ہم کراچی میں اردو کالج ضرور قائم ہو گیا۔ فی الحقیقت وہ اردو کے بہت بڑے محنت ہیں۔ ان کی ناقابل فراموش خدمات کے پیش نظر انھیں ”باباۓ اردو“ کا لقب ملا۔

ان کا ادبی اسلوب صاف، سادہ اور دل کش ہے۔ انہوں نے لغت تیار کیا لیکن ان کا سب سے خوب صورت کام ان کے خاکے ہیں، جن میں ایسی خوبیاں ہیں کہ ہر پڑھنے والا متاثر ہوتا ہے۔

ان کی تصانیف میں مرحوم دلی کالج، سر سید احمد خاں: حالات و افکار، اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیا میں کرام کا کام، افکارِ حالی، مقدمات عبدالحق، خطبات عبدالحق اور چند ہم عصر شامل ہیں۔

نام دیو مالی

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ پر واضح کرنا کہ محنت میں عظمت بھی ہے اور عزت بھی۔
- ۲۔ طلبہ کو بتانا کہ صرف تفویض شدہ کام کر دینا ہی کافی نہیں ہوتا، ہر کام دل جھی اور دل جھی سے کیا جانا چاہیے۔
- ۳۔ طلبہ کی اخلاقی تربیت کرنا۔
- ۴۔ مولوی عبدالحق کے اسلوب سے آگاہ کرنا۔
- ۵۔ طلبہ کو باور کرنا اک انسان کی عظمت کام سے ہے نہ کہ طبقاتی برتری سے۔

نام دیو، مقبرہ رابعہ دورانی اور نگ آباد^① (دکن) کے باعث میں مالی تھا۔ ذات کا ڈھیر جو بہت بخ قوم خیال کی جاتی ہے۔ قوموں کا انتیاز مصنوعی ہے اور رفتہ رفتہ نسلی ہو گیا ہے۔ سچائی، نیکی، حسن کسی کی میراث نہیں۔ یہ خوبیاں پچی ذات والوں میں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی اونچی ذات والوں میں:

قیس ہو کوہ گن ہو یا حائی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

مقبرے کا باعث میری تگرانی میں تھا۔ میرے رہنے کا مکان بھی باعث کے احاطے ہی میں تھا۔ میں نے اپنے بنگلے کے سامنے چمن بنا نے کا کام نام دیو کے پر دکیا۔ میں اندر کمرے میں کام کرتا رہتا تھا۔ میری میز کے سامنے بڑی ہی کھڑکی تھی۔ اس میں سے چمن صاف نظر آتا تھا۔ لکھتے لکھتے بھی نظر انھا کردیکھتا تو نام دیو کو ہمہ تن اپنے کام میں مصروف پاتا۔ بعض دفعہ اس کی حرکتیں دیکھ کر بہت تجھب ہوتا، مثلاً: کیا دیکھتا ہوں کہ نام دیو ایک پودے کے سامنے بیٹھا اس کا تھانو لا صاف کر رہا ہے۔ تھانو لا صاف کر کے حوض سے پانی لیا اور آہستہ آہستہ ڈالا۔ پانی ڈال کر ڈول درست کی اور ہر رُخ سے پو دے کو مژمر کر دیکھا۔ پھر اٹھے پاؤں پیچھے بہت کر اُسے دیکھنے لگا۔ دیکھتا جاتا تھا اور مسکراتا اور خوش ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے تیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ کام اُسی وقت ہوتا ہے جب اُس میں لذت آنے لگے، بے مزہ کام نہیں، بیگار ہے۔

اب مجھے اس سے دل جھی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنا کام چھوڑ کر اُسے دیکھا کرتا، مگر اُسے کچھ خبر نہ ہوتی کہ کوئی دیکھ رہا ہے یا اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اپنے پو دوں اور جیڑوں

۱۔ محلہ دور کا ایک تاریخی مقبرہ جو کئی عمارتوں اور حصوں پر مشتمل تھا۔ اس کے ایک حصے میں مولوی عبدالحق نے اپنا دفتر بنا کر کھاتا۔

ہی کو اپنی اولاد سمجھتا تھا اور اولاد کی طرح ان کی پرورش اور گنجیداشت کرتا۔ ان کو سر بزر اور شاداب دیکھ کر ایسا ہی خوش ہوتا، جیسے ماں اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ وہ ایک ایک پودے کے پاس بیٹھتا، ان کو پیار کرتا، جھک جھک کر دیکھتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا ان سے پچکے پچکے باتیں کر رہا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھتے اور پھولتے پھلتے، اس کا دل بھی بڑھتا اور پھولتا تھا۔ ان کو تو انہا اور نہاد دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ کبھی کسی پودے میں اتفاق سے کیڑا الگ جاتا یا کوئی اور روگ پیدا ہو جاتا تو اسے بڑا فکر ہوتا۔ بازار سے دوائیں لاتا۔ باغ کے داروغے یا مجھ سے کہ کر منگاتا۔ دن بھر اسی میں لگا رہتا اور اس پودے کی ایسی سیوا کرتا جیسے کوئی ہمدرد اور نیک دل ڈاکٹر اپنے عزیز بیمار کی کرتا ہے۔ ہزار جتن کرتا اور اسے بچالیتا اور جب تک وہ تندرست نہ ہو جاتا، اسے چین نہ آتا۔ اس کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ پروان چڑھے اور کبھی کوئی پیڑ ضائع نہ ہوا۔

بانوں میں رہتے رہتے اسے جڑی بوٹیوں کی بھی شاخات ہو گئی تھی۔ خاص کر بچوں کے علاج میں اسے بڑی مہارت تھی۔ ڈور ڈور سے لوگ اس کے پاس بچوں کے علاج کے لیے آتے تھے۔ وہ اپنے باغ ہی میں سے جڑی بوٹیاں لا کر بڑی شفقت اور غور سے ان کا علاج کرتا۔ کبھی کبھی دوسرے گاؤں والے بھی اسے علاج کے لیے نمایاں جاتے۔ بلا تامل چلا جاتا، مفت علاج کرتا اور کبھی کسی سے کچھ نہیں لیتا تھا۔

وہ خود بھی بہت صاف سقرا رہتا تھا اور ایسا ہی اپنے چمن کو بھی رکھتا۔ اس تدریپاک صاف جیسے رسوئی کا چوکا۔ کیا جمال جو کہیں گھاس پھونس یا کنکر پھتر پڑا رہے۔ رُوشیں باقاعدہ، ہنا نے درست، سچائی اور شاخوں کی کاث چھانٹ وقت پر، جھاڑنا، بہارنا، صبح شام روزانہ، غرض سارے چمن کو آئینہ بنار کھاتھا۔

باغ کے داروغہ (عبد الرحمن خاں فینسی) خود بھی بڑے کارگزار اور مستعد شخص ہیں اور دوسروں سے بھی سمجھ تان کر کام لیتے ہیں۔ اکثر مالیوں کو ڈاٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ ذرا بھی نگرانی میں ڈھیل ہوئی، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے یا بیڑی پینے لگے یا سائے میں جائی۔ عام طور پر انسان فطرتا کا ہل اور کام چور واقع ہوا ہے۔ آرام طلبی ہم میں کچھ موروثی ہو گئی ہے لیکن نام دیو کو کبھی کچھ کہنے سننے کی نوبت نہ آئی۔ وہ دنیا مافیہا سے بے خبر اپنے کام میں لگا رہتا۔ نہ تائش کی تھنتا، نہ صلی کی پروا۔

ایک سال بارش بہت کم ہوئی۔ کنوؤں اور باولیوں میں پانی برائے نام رہ گیا۔ باغ پر آفت نوٹ پڑی۔ بہت سے پودے اور پیرنگ ہو گئے، جونچ رہے، وہ ایسے نہ ہحال اور مر جھائے ہوئے تھے جیسے وقق کے بیمار۔ لیکن نام دیو کا چمن ہر ابھر اتحاد اور وہ ڈور ڈور سے ایک ایک گھڑا پانی کا سر پر اٹھا کر لاتا اور پودوں کو سینچتا۔ یہ وہ وقت تھا کہ قحط نے لوگوں کے اوسان خطا کر کے تھے اور انھیں پینے کو پانی مشکل سے میسر آتا تھا مگر یہ خدا کا بندہ کہیں نہ کہیں سے لے ہی آتا اور اپنے پودوں کی پیاس بجھاتا۔ جب پانی کی قلت اور بڑھی تو اس نے راتوں کو بھی پانی ڈھونڈھو کے لانا شروع کیا۔ پانی کیا تھا، یوں سمجھیے کہ آدھا پانی اور آدمی کیچھر ہوتی تھی

لیکن نہیں گدلا پانی پودوں کے حق میں آب حیات تھا۔

مئیں نے اس بے مثل کارگزاری پر اسے انعام دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا کہناٹھیک تھا کہ اپنے بچوں کے پالنے پر نہیں میں کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا۔ کیسی ہی تسلی خوشی ہو تو وہ ہر حال میں کرنا ہی پڑتا ہے۔

جب اعلیٰ حضرت حضور نظام کو اور رنگ آباد کی خوش گوار آب و ہوا میں باع غنگانے کا خیال ہوا تو یہ کام ڈاکٹر سید سراج الحسن (نواب سراج یار جنگ بہادر) ناظم تعلیمات کو تفویض ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا ذوق پاغ بانی مشہور تھا۔ مقبرہہ رابعہ دورانی اور اس کا باع غنگانی ترتیب و تعمیر کے اعتبار سے مغلیہ باع کا بہترین نمونہ ہے، مدت سے ویران اور مشسان پڑا تھا۔ وحشی جانوروں کا مسکن تھا اور جھاڑ جھنکار سے پنا پڑا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب کی بدولت سر بز و شاداب اور آباد نظر آتا ہے۔ اب دور دور سے لوگ اُسے دیکھنے آتے اور سیر و تفریخ سے مظوظ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو آدمی پر کھنے میں بھی کمال تھا۔ وہ نام دیو کے بڑے قد روان تھے۔ اُسے مقبرے سے شاہی باع غن میں لے گئے۔ شاہی باع آخر شاہی باع تھا۔ کئی کئی گمراں کار اور بیسوں مالی اور مالی بھی کیسے کیسے، نوکیو سے جا پانی، تہران سے ایرانی اور شام سے شامی آئے تھے۔ اُن کے بڑے شھاد تھے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی آنچ تھی۔ وہ شاہی باع کو حقیقت میں شاہی باع بنانا چاہتے تھے۔ یہاں بھی نام دیو کا وہی رنگ تھا۔ اُس نے نہ فتن باع بانی کی کہیں تعلیم پائی تھی اور نہ اس کے پاس کوئی سند یا ڈپلوما تھا، البتہ کام کی ذہن تھی۔ کام سے چال گذا تھا اور اسی میں اس کی جیت تھی۔ شاہی باع میں بھی اسی کا کام ہماکا ج رہا۔ دوسرے مالی بڑتے جھنگتے، سیندھی شراب پیتے۔ یہ کسی سے لڑتا جھگڑتا، نہ سیندھی شراب پیتا۔ یہاں تک کہ بھی بیڑی بھی نہیں۔ بس یہ تھا اور اس کا کام۔

ایک دن نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی کھیوں کی بورش ہوئی۔ سب مالی بھاگ بھاگ کر چھپ گئے۔ نام دیو کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں لگا رہا۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ قضاں کے سر پر کھیل رہی ہے۔ کھیوں کا غصب ناک محلہ اس غریب پر ٹوٹ پڑا۔ اتنا کاتا اتنا کاتا کہ بے دم ہو گیا۔ آخر اسی میں جان دے دی۔

وہ بہت سادہ مزاج، بھولا بھالا اور ملکر المزاج تھا۔ اُس کے چہرے پر بثاشت اور بلوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے جھک کر ملتا۔ غریب تھا اور تخواہ بھی کم تھی، اس پر بھی اپنے غریب بھائیوں کی بساط سے بڑھ کر مدد کرتا رہتا تھا۔ کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے کرتے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

گری ہو یا جاڑا، دھوپ ہو یا سایا، وہ دن رات برابر کام کرتا رہا۔ اُسے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ مئیں بہت کام کرتا ہوں یا میرا کام دوسروں سے بہتر ہے، امی لیے اُسے اپنے کام پر فخر یا غرور نہ تھا۔ وہ یہ باتیں جانتا ہی نہ تھا۔ اُسے کسی سے پیر تھا نہ جلا پا۔ وہ سب کو اچھا سمجھتا اور سب سے سمجھ کرتا تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا، وقت پر کام کرتا، آدمیوں، جانوروں، پودوں کی خدمت کرتا ہیں۔

اے یہ بھی احساس نہ ہوا کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ تسلی اسی وقت تک نہیں ہے جب تک آدمی کو یہ معلوم ہو کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ جہاں اُس نے یہ سمجھنا شروع کیا، تسلی نہیں رہتی۔

جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ تسلی کیا ہے اور بڑا آدمی کے کہتے ہیں۔ ہر حصہ میں فدرات نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے، اس صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ساری تسلی اور بڑائی ہے۔ درجہ کمال تک نہ کوئی پہنچا ہے، نہ پہنچ سکتا ہے لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش ہی میں انسان، انسان بتتا ہے۔ یہ سمجھو گلدن ہو جاتا ہے۔ حساب کے دن جب اعمال کی جانش پڑتا ہو گی، خدا یہ پوچھے گا کہ میں نے جو استعداد تجویز میں ودیعت کی تھی، اسے کمال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تو نے کیا کیا اور علیق اللہ کو اس سے کیا فیض پہنچایا؟ اگر تسلی اور بڑائی کا یہ معیار ہے تو نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی۔
تحاتوڑات کا ذیمیر، پر اچھے اچھے شریفوں سے زیادہ شریف تھا۔

(چند ہم عصر)



مشق

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کیجیے:

۱-

(الف) نام دیو نے پانی کی قلت کے زمانے میں جہن کو کیسے شاداب رکھا؟

(ب) نام دیو مالی نے انعام لینے سے کیوں انکار کیا؟

(ج) لوگ بچوں کے علاج کے لیے نام دیو کے پاس کیوں آتے تھے؟

(د) نام دیو کی موت کا سبب کیا تھا؟

(ه) معنف کے خیال میں اچھا انسان کیسے ہا جا سکتا ہے؟

(و) نام دیو مالی کے اوصاف میں سب سے نمایاں وصف کیا ہے؟

۲-

سبق کے متن کو مدد نظر کر کر درست جواب پر (✓) نشان لگائیے:

(الف) سبق "نام دیو مالی" کس کتاب سے لیا گیا ہے؟

(i) چند ہم عصر (ii) مقدمات عبدالحق

(iii) خلبات عبدالحق (iv) بزم خوش نفسان

(ب) مقبرہ رابعہ دورانی کہاں واقع ہے؟

(i) ذلی میں

(ii) اور نگ آباد میں

(iii) حیدر آباد میں

(iv) اللہ آباد میں

(ج) باغ کے داروغہ کون تھے؟

(i) سید سراج الحسن

(ii) مولوی عبدالحق

(iii) عبدالرحیم فیضی

(iv) ایوب عباسی

(د) نام دیوبڑی تندھی سے اپنے کام میں مصروف اور مگر رہتا تھا، اس کی وجہ تھی:

(i) تنخواہ کالائج

(ii) افران کی خوشی

(iii) بے عزتی کا خوف

(iv) اپنے کام سے محبت

(ه) مصنف نے کس چیز کو بے کار کہا ہے؟

(i) جبری مشقت

(ii) بے مزہ کام

(iii) محض حکم کی تعیل

(iv) ڈر کر کام کرنے کو

(و) مصنف نے انسان کی فطری کمزوری کی بنابرائے کہا ہے:

(i) کاہل اور کمل

(ii) نکما اور کام چور

(iii) کاہل اور کام چور

(iv) دلیر مگر سست

(ز) گدلا پانی پودوں کے لیے تھا:

(i) ضرر رسان

(ii) بے سود

(iii) مفید

(iv) آب حیات

(ح) درجہ کمال تک چینپنے کے لیے ضروری ہے:

(i) چد و مجد

(ii) صلاحیت

(iii) خوش بختی

(iv) وسائل کا ہوتا

(ط) ڈاکٹر سراج الحسن کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ تھے:

(i) تبااض

(ii) فیاض

(iii) مردم شناس

(iv) خوش مزاج

۳۔

سبق کے متن کو مُنظر رکھ کر درست یا غلط پر نشان (✓) لگائیں:

- | | |
|----------|---|
| درست/غلط | (الف) سچائی، نیکی اور حسن کسی کی میراث نہیں۔ |
| درست/غلط | (ب) نام دیوبچلوں اور چلپوں کی شناخت رکھتا تھا۔ |
| درست/غلط | (ج) نام دیومالی دوبچوں کا باپ تھا۔ |
| درست/غلط | (د) درجہ کمال تک پہنچنے کی کوشش سے ہر کوئی درجہ کمال تک پہنچ سکتا ہے۔ |
| درست/غلط | (ه) نام دیومالی مقبرہ رابعہ دورانی کے باغ میں چوکیدار تھا۔ |
| درست/غلط | (و) بے مزہ کام نہیں، بیگار ہے۔ |
| درست/غلط | (ز) نام دیومالی بچوں کے علاج میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ |
| درست/غلط | (ح) باغ کے داروغہ کو دوسروں سے کام لینا نہیں آتا تھا۔ |
| درست/غلط | (ط) نام دیومالی شہد کی کھیوں کے کامنے سے فوت ہو گیا۔ |

۴۔

سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

نام دیومالی کی زندگی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ مفصل لکھیں۔

۵۔

درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے اور جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ تذکیر و تانیث واضح ہو جائے:

ہار، قلم، کان، اردو، کف، لگن

درج ذیل محاورات اور الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

آفت ٹوٹ پڑنا، اوسان خطا ہونا، تفویض، محظوظ، مہا کاج، پورش، بشاشت، بے دم ہونا، سیوا

ڈومنی الفاظ:

ایسے الفاظ کا امتال تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن ان کے دو معنی ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض اوقات ایک معنی میں مذکور جب کہ دوسرے معنوں میں مؤنث ہوتا ہے۔ مثلاً تکرار بمعنی جھگڑا مؤنث ہے اور بمعنی اعادہ مذکور ہے۔ اسی طرح قلم (اک تحریر) مذکور اور پودے کی قلم مؤنث ہے۔ کف بمعنی ہتھیلی مؤنث اور بمعنی جھاگ مذکور ہے۔

۶۔

درج ذیل الفاظ کے متفاہ لکھیے:

مصنوعی، تو انا، تند رست، توقیر، محبت، تریاق، رہبر

۷۔

درج ذیل الفاظ کے متفاہ لکھیے:

مبتدا اور خبر کے حوالے سے تقطیع کرنا:

بعض افعال ابیے ہوتے ہیں کہ ان میں جب تک فعل کے ساتھ کوئی اسم یا صفت نہ ملے، پورا مطلب واضح نہیں ہوتا۔
ایسے افعال کے فعل کو اسم (مبتدا) اور اس کے علاوہ جو اسم یا صفت ہو، وہ خبر کہلاتی ہے۔

درج ذیل کو غور سے دیکھیے:

بلال بہت ہوشیار ہے۔

ارسہ دیانت دار ہے۔

نام دیومالی علاج کا اہر تھا۔

وقارا پنے کام میں مگن تھا۔

ان جملوں میں "ہے" اور "تھا" افعال نقش ہیں جب کہ بلال، ارسہ، نام دیومالی اور وقارا مبتدا اور ہوشیار، دیانت دار، ماحر اور مگن خبر ہیں۔

۹۔ نام دیومالی کے اہم اوصاف ترتیب دار لکھیں۔

سر مریاں

- ۱۔ ایک عام مالی اور نام دیومالی میں آپ جو فرق محسوس کرتے ہیں، وہ کامی میں تحریر کریں۔
- ۲۔ نام دیومالی میں کہ کہیں نہ کہیں موجود ہوتے ہیں۔ آپ کے علم میں ہوں یا اپنے استاد سے پوچھ کرایے کردار کی خوبیاں جماعت کے کمرے میں دیکھ طلبہ کو سنائیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کو خاکہ نگاری کی خوبیاں بتائی جائیں۔
- ۲۔ مولوی عبدالحق کے لکھے ہوئے دیگر خاکوں میں سے کم از کم دو خاکے طلبہ کو پڑھ کر سنائے جائیں۔
- ۳۔ مولوی عبدالحق کے سوانحی حالات خصوصاً اردو زبان و ادب کے لیے ان کی خدمات کی تفصیل طلبہ کو بتائی جائے۔

قدرت اللہ شہاب

(۱۹۸۶ء-۱۹۱۷ء)

قدرت اللہ شہاب مغلت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جھوں میں پائی۔ ۱۹۳۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی ادب میں ایم اے کیا۔ ۱۹۳۱ء میں آئی سی ایس کے مقابلے میں کامیاب ہو کر انہیں بول سروں میں شامل ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد ابتدائی و برس حکومت آزاد کشمیر کے سکرٹری جزل رہے، اس کے بعد وزارت اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان میں ڈپی سکرٹری اور پھر جنگ میں ڈپی کمشزر ہے۔ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک گورنر جزل غلام محمد، صدر سکندر مرزا اور صدر ایوب خاں کے سکرٹری رہے۔ تین بوس تک ہائیکٹ میں پاکستان کے سفیر رہے۔ ۱۹۶۶ء میں واپس آگر مرکزی سکرٹری تعلیم مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں وفات پائی اور اسلام آباد میں دفن ہوئے۔ وہ زبان و بیان پر دسترس رکھتے تھے۔ ان کا اسلوب سادہ ہے، ہایں ہمہ ان کی تحریروں میں بڑی جاذبیت اور دلکشی ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے لکھنے کا آغاز معروف شاعر آخر شیرانی کے رسائل رومان سے کیا تھا۔ ۱۹۵۹ء جنوری کو اشہر زنجیر معرض وجود میں آیا تو وہ اس کے پہلے سکرٹری جزل مقرر ہوئے۔ ان کی تصانیف میں یا خدا (۱۹۳۸ء)، نفسانے (۱۹۵۰ء)، مان جی (۱۹۶۸ء) اور شہاب نامہ (۱۹۸۶ء) شامل ہیں۔ شہاب نامہ قدرت اللہ شہاب کی خود نوشت ہے، جوان کی تمام تصانیف سے بڑھ کر مقبول ہوئی۔ گذشتہ پھر برس میں اس کے درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

علی بخش

تدریسی مقاصد

- ۱۔ قدرت اللہ شہاب کی اس تحریر کے حوالے سے شہاب نامہ کا تعارف کرانا۔
- ۲۔ علامہ محمد اقبال کی زندگی کے بعض پہلوؤں سے واقفیت دلانا۔
- ۳۔ طلبہ کو ایک عمدہ ادبی تحریر کی خوبیوں سے آشنا کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو صحف ادب "خودنوشت" سے آگاہ کرنا اور ان پر اس کی خوبیاں واضح کرنا۔

ایک روز مئیں کسی کام سے لا ہو رگیا ہوا تھا۔ وہاں پر ایک جگہ خواجه عبدالرحیم^① صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ با توں با توں میں انھوں نے بتایا کہ علامہ اقبال^۲ کے دریینہ اور وقار ملازم علی بخش^۳ کو حکومت نے اس کی خدمات کے سلسلے میں لاکل پور میں ایک مریع زمین عطا کی ہے۔ وہ بچارائی چکر لگا چکا ہے لیکن اسے قبضہ نہیں ملتا، کیونکہ کچھ شریروں کی وجہ سے اس پر ناجائز طور پر قابلیض ہیں۔ خواجه صاحب نے فرمایا: "جہنگ، لاکل پور کے بالکل قریب ہے، کیا تم علی بخش کی کچھ مدد نہیں کر سکتے؟"

مئیں نے فوراً جواب دیا: "مئیں آج ہی اسے اپنی موڑ کار میں جہنگ لے جاؤں گا اور کسی طرح اس کو زمین کا قبضہ دلوں کے چھوڑوں گا۔"

خواجه صاحب مجھے "جاوید منزل"^۴ لے گئے اور علی بخش سے میرا تعارف کرتے ہوئے کہا: "یہ جہنگ کے ڈپٹی کمشنر ہیں۔ تم فوراً تیار ہو کر ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ یہ بہت جلد تحریکی زمین کا قبضہ دلوادیں گے۔"

علی بخش کسی قدر بچکایا اور بولا: "سوچیے تو سہی، مئیں زمین کا قبضہ لینے کے لیے کب تک ماراما پھر دیں گا؟ قبضہ نہیں ملتا تو کھائے کر دھی، لا ہو سے جاتا ہوں تو جاوید کا نقصان ہوتا ہے۔ جاوید بھی کیا کہے گا کہ بابا کن بھگڑوں میں پڑ گیا؟"

لیکن خواجه صاحب کے اصرار پر وہ میرے ساتھ ایک آدھ روز کے لیے جہنگ چلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ میرے ساتھ کار میں بیٹھ جاتا ہے تو غالباً اس کے دل میں سب سے بڑا وہم یہ ہے کہ شاید اب مئیں بھی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح علامہ اقبال^۵ کی باتیں پوچھ پوچھ کر اس کا سر کھپاؤں گا لیکن مئیں نے بھی عزم کر رکھا ہے کہ مئیں خود علی بخش سے حضرت علامہ کے بارے میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اگر واقعی وہ علی بخش کی زندگی کا ایک جزو ہیں، تو یہ جو ہر خود بخود عشق اور بُشک کی طرح ظاہر

۱۔ خواجه عبدالرحیم لا ہو کے معروف بیر ستر تھے۔ علامہ اقبال کی زندگی میں بھی بھی ان کی خدمت میں مصادر ہوتے تھے۔

۲۔ علی بخش تقریباً چالیس سال، علامہ اقبال کے نہایت وقار ادارت گزار رہے۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد ان کی بیوی فوت ہو گئی، تو انھوں نے پھر شادی نہیں کی۔

۳۔ جاوید منزل، لا ہو میں علامہ اقبال روڈ پر واقع ہے۔ یہ علامہ اقبال کی قیام گاہ تھی، جسے اب "اقبال یونیورسٹی" بنادیا گیا ہے اور یہ مکمل آثار قدیمہ کی تحیل میں

ہو کر رہے گا۔

میری توقع پوری ہوتی ہے اور تھوڑی سی پریشان گن خاموشی کے بعد علی بخش مجھے یوں ٹھور نے لگتا ہے کہ یہ عجیب شخص ہے، جو ڈاکٹر صاحب کی کوئی بات نہیں کرتا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور ایک سینما کے سامنے بھیڑ بھاڑ دیکھ کر وہ بیڑوانے لگا: ”مسجدوں کے سامنے تو کبھی ایسا رشتہ نظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر صاحب بھی بھی کہا کرتے تھے۔“

ایک جگہ میں پان خریدنے کے لیے رکتا ہوں، تو علی بخش بے ساختہ کہ اٹھتا ہے: ”ڈاکٹر صاحب کو پان پسند نہیں تھے۔“ پھر شاید میری دل جوئی کے لیے وہ مسکرا کر کہتا ہے: ”ہاں تھے خوب پیتے تھے۔ اپنا اپنا شوق ہے۔ پان کا ہو یا نہ کا!“ شخون پورہ سے گزرتے ہوئے علی بخش کو یاد آتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک بار یہاں بھی آئے تھے۔ یہاں پر ایک مسلمان تحصیل دار تھے، جو ڈاکٹر صاحب کے پکے مرید تھے، انھوں نے دعوت دی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو پلاوا اور سخن کتاب بہت پسند تھے۔ آموں کا بھی بڑا شوق تھا۔ وفات سے کوئی چھے برس پہلے، جب ان کا گلا پہلی بار بیٹھا، تو کھانا پینا بہت کم ہو گیا۔

اب علی بخش کا ذہن بڑی تیزی سے اپنے مرکز کے گرد گھوم رہا ہے اور وہ بڑی سادگی سے ڈاکٹر صاحب کی باتیں سناتا جاتا ہے۔ ان باتوں میں قصوں اور کہانیوں کا رنگ نہیں، بلکہ ایک نشے کی سی کیفیت ہے۔ جب تک علی بخش کا یہ نشہ پورا نہیں ہوتا، غالباً اسے ڈنی اور روحانی تسلیم نہیں ملتی۔ ”صاحب! جب ڈاکٹر صاحب نے ڈم دیا ہے، میں ان کے بالکل قریب تھا۔ صحن سوریے میں نے انھیں فروٹ سالٹ پلایا اور کہا کہ اب آپ کی طبیعت بحال ہو جائے گی، لیکن عین پانچ بج کر دس منٹ پران کی آنکھوں میں ایک تیز تیز نیلی سی چک آئی اور زبان سے اللہ ہی اللہ نکلا۔ میں نے جلدی سے ان کا سر اٹھا کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور انھیں جھنجوڑ نے لگا لیکن وہ رخصت ہو گئے تھے۔“

کچھ عرصہ خاموشی طاری رہتی ہے۔

پھر علی بخش کا مودود لئے کے لیے میں بھی اس سے ایک سوال کر رہی بیٹھتا ہوں: ” حاجی صاحب! کیا آپ کو ڈاکٹر صاحب کے کچھ شعر یاد ہیں؟“

علی بخش نہ سکرنا تا ہے: ”میں تو ان پڑھ جاتا ہوں۔ مجھے ان باتوں کی بھلا کیا عقل!“

”میں نہیں مانتا۔“ میں نے اصرار کیا: ”آپ کو ضرور کچھ یاد ہو گا۔“

”کبھی اے حکیکت ملتی والا کچھ کچھ یاد ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کو خود بھی بہت گلگنایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب عام طور پر مجھے اپنے کمرے کے بالکل نزدیک سلایا کرتے تھے۔ رات کو دوڑھائی بجے دبے پاؤں اٹھتے تھے اور وضو کر کے جانماز پر جانیختے تھے۔ نماز پڑھ کر وہ دریتک بھدے میں پڑے رہتے تھے۔ فارغ ہو کر بستر پر آ لیتے تھے۔ میں حق تازہ کر کے لا رکھتا تھا۔“

”بھی ایک، بھی دو کش لگاتے تھے۔ کبھی آنکھ لگ جاتی تھی۔ بس صبح تک اسی طرح کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔“

میرا ذرا بیکور احترازاً علی بخش کو سگریت پیش کرتا ہے لیکن وہ غالباً جاگ میں آ کر اسے قبول نہیں کرتا۔

”ڈاکٹر صاحب میں ایک عجیب بات تھی۔ بھی کبھی رات کو سوتے سوتے انہیں ایک جھنکا سالگتا تھا اور وہ مجھے آواز دیتے تھے۔ انہوں نے مجھے ہدایت کر رکھی تھی کہ ایسے موقع پر انہیں فوراً ان کی گردان کی کچھلی رگوں اور پھلوں کو زور زور سے دبایا کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کہتے تھے: بس! اور میں دبانا چھوڑ دیتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ مجھے اپنے نزدیک سلاایا کرتے تھے۔“
ہر چند بیرونی ادل چاہتا ہے کہ میں علی بخش سے اس واردات کے متعلق کچھ مزید استفسار کروں لیکن میں اس کے ہنی ربط کو توڑنے سے ڈرتا ہوں۔

”ڈاکٹر صاحب بڑے درویش آدمی تھے۔ گمراہ کے خرچ کا حساب کتاب میرے پاس رہتا تھا۔ میں بھی بڑی کفایت سے کام لیتا تھا۔ ان کا پیسا ضائع کرنے سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ اکثر اوقات ریل کے سفر کے دوران میں کئی کمی شیش بھوکا رہتا تھا، کیونکہ وہاں روئی مہنگی ملتی تھی لیکن ڈاکٹر صاحب ناراض ہو جاتے تھے۔ کہا کرتے تھے: علی بخش انسان کو ہمیشہ وقت کی ضرورت کے مطابق چنانچا ہے۔ خواہ خواہ ایسے ہی بھوکے نہ رہا کرو۔ اب اسی مرتبے کے منئے کو دیکھ بجیے۔ لائل پور کے ڈپٹی کمشنر صاحب، مال افسر صاحب اور سارا عملہ میری بڑی آڈ بھگت کرتے ہیں۔ بڑے اخلاق سے مجھے اپنے برادر کری پر بھاتے ہیں۔ ایک روز بازار میں ایک پولیس اسپکٹر نے مجھے پہچان لیا اور مجھے گلے گا کہ دریجک رو تارہ۔ یہ ساری عزت ڈاکٹر صاحب کی برکت سے ہے۔ مرتبے کی بھاگ دوڑ میں میرے سر کو قرضہ بھی چڑھ گیا ہے لیکن میں اس کام کے لیے بارہار لا ہو رکیے چھوڑوں؟ جاویدہ کا نقصان ہوتا ہے۔“

”سنا ہے، اپریل میں جاویدہ چند ہفتہوں کے لیے ولایت سے لا ہو رائے گا۔ جب وہ چھوٹا سا تھا، ہر وقت میرے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ اللہ کے کرم سے اب بڑا ہوشیار ہو گیا ہے۔ جب اس کی والدہ کا انتقال ہوا تو وہ اور منیرہ بی بی^۱ بہت کم عمر تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہیں کے لیے اشتہار دیا۔ بے شمار جواب آئے۔ ایک بی بی نے تو یہ لکھ دیا کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ شادی کرنے کے لیے بھی تیار ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی قدر پر بیان ہوئے اور کہنے لگے: علی بخش اور یکھو توسمی، اس خاتون نے کیا لکھا ہے؟ میں بڑھا آدمی ہوں، اب شادی کیا کروں گا؟ لیکن پھر علی گڑھ سے ایک جرم لیڈی^۲ آئی۔“

علی بخش کا تخلی بڑی تیز رفتاری سے ماضی کے ڈھنڈکوں میں پرواز کر رہا ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر اسے اپنے ڈاکٹر صاحب یا جاویدہ یا منیرہ بی بی کی کوئی نہ کوئی خوش گواری یا ساتھی رہتی ہے۔
جنگ چکن کرنے میں اسے ایک رات اپنے ہاں رکھتا ہوں۔ دوسری صبح اپنے ایک نہایت قابل اور فرض شناس مجرم بیٹ کپتان مجاہدت خان کے پر دکر دیتا ہوں۔

۱۔ علام اقبال کی یعنی منیرہ، جسے علامہ بیار سے ”باؤ“ کہا کرتے تھے۔ منیرہ، میاں صلاح الدین سے بیانیں جولا ہو رکی معرفت خصیت میاں امیر الدین کے بیٹے تھے۔

۲۔ مراد ہے: ڈورس احمد، جو حیات اقبال کے آخری دو یوسوں میں، علامہ کے بھنوں کی اتنا لیت اور مگر ان کے طور پر جادو ہے منزل میں مقیم رہیں۔ وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کی سالی تھیں۔

کپتان مہابت خان، علی بخش کو ایک نہایت مقدس تاثورت کی طرح عقیدت سے محو کر اپنے سینے سے لگا لیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ وہ علی بخش کو آج ہی اپنے ساتھ لا لے پورے جائے گا اور اس کی زمین کا قبضہ لا کر ہی واپس لوٹے گا: ”حد ہو گئی! اگر ہم یہ معمولی سا کام بھی نہیں کر سکتے تو ہم پر لعنت ہے۔“

(شہاب نامہ)



مشق

درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجیے:

(الف) علی بخش سے مصنف کی کیسے ملاقات ہوئی؟

(ب) علی بخش کو ایک مرقع زمین کہاں اور کیوں الٹ ہوئی؟

(ج) مصنف کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے علی بخش کے دل میں کیا وہم تھا؟

(د) ایک سینما کے سامنے بھیڑ دیکھ کر علی بخش نے کیا کہا؟

(ه) شیخوپورہ سے گزرتے ہوئے علی بخش کو کیا بیاد آیا؟

سبق کا خلاصہ اپنے لفظوں میں تحریر کیجیے۔

علی بخش کے کردار کی تباہیاں خوبیاں ہیں اگراف کی ٹھیکیں میں لکھیں۔

علامہ اقبال کی وفات کا حال علی بخش کی زبانی بیان کیجیے۔

متن کی روشنی میں تو سین میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے مندرجہ ذیل جملے کمل کیجیے:

(الف) قصہ نہیں ملتا تو کہائے (جسم کو، کڑھی، کھیر، دھوپ)

(ب) علی بخش کے مطابق اقبال اکتو ملتا تھے۔ (مسلمان کے لہو میں۔ خودی کو کہلانا تھا۔)

(ج) کبھی اے حقیقتِ منظر تو رہ نور و شوق ہے)

(عالم، درویش، سیاسی، دانش در)

(د) پھر علی گڑھ سے ایک لپڈی آگئی۔

(ه) کپتان مہابت خان، علی بخش کو ایک نہایت مقدس

(تابوت، کتاب، چیز، امامت) کی طرح عقیدت سے چھو کر اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔

۔۔ سبق "علی بخش" کے متن کو مددِ نظر رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) سبق "علی بخش" کس کتاب سے لیا گیا ہے؟

(i) شہاب نامہ (ii) نفسانے (iii) ماں جی
(iv) یاددا

(ب) مصنف کام کے سلسلے میں کہاں گئے تھے؟

(i) لاہور (ii) لاکل پور (iii) شیخوپورہ
(iv) جنگ

(ج) علی بخش کو زمین کہاں دی گئی تھی؟

(i) جنگ (ii) لاکل پور (iii) لاہور
(iv) خانیوال

(د) آخری عمر میں علامہ محمد اقبال کا کھانا پینا کم ہو گیا تھا۔

(ا) بڑھاپے کی وجہ سے (ii) دے کی وجہ سے (iii) گلے کی خرابی کی وجہ سے (iv) معدے کی خرابی کی وجہ سے

(ه) علی بخش کے مطابق ڈاکٹر محمد اقبال کی پسندیدہ خوراک کیا تھی؟

(ا) پلاو (ii) سُنْج کباب (iii) پلاو اور سُنْج کباب
(iv) چلپی کباب اور زردہ

(و) حکومت نے علی بخش کو کتنی زمین الائچی کی؟

(ا) آدماریع (ii) ایک مریع (iii) دو مریع
(iv) تین مریعے

(ز) علامہ محمد اقبال کون سا پھل پسند کرتے تھے؟

(ا) انگور (ii) لوکات (iii) آم
(iv) خوبانی

(ح) ڈاکٹر محمد اقبال رات کتنے بجے جانماز پر جا بیٹھتے؟

(ا) ایک بجے (ii) دو بجے (iii) اڑھائی بجے
(iv) دواڑھائی بجے

(ط) ڈاکٹر محمد اقبال کو سوتے ہوئے جھٹکا لگتا تو کیا کرتے تھے؟

(ا) دوائی لے لیتے (ii) علی بخش سے گردن کے پٹھے دیواتے

(iii) سوجاتے (iv) بے چین ہو کر ٹھہنے لگتے

۔۔ سبق کے متن کو مددِ نظر رکھ کر درست یا غلط پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) علی بخش سے مصنف کی ملاقات خوبجہ عبدالرحیم نے کرائی۔

(ب) شیخوپورہ کے وکیل علامہ محمد اقبال کے مرید تھے۔

(ج) ڈاکٹر محمد اقبال گھر کے اخراجات کا حساب کتاب نہیں رکھتے تھے۔

(د) ڈاکٹر صاحب کے ہاں اعظم گڑھ سے جرمن لیدی آئیں۔

(ه) فروٹ سالٹ سے ڈاکٹر صاحب کی طبیعت بحال ہو گئی۔

(و) مہابت خان نے اعلان کیا کہ وہ علی بخش کا کام کراکے دم لے گا۔

سبق ”علی بخش“ کے متن کے مطابق کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کا رابطہ کالم (ب) کے الفاظ سے کریں:

کالم (ب)	کالم (الف)
حقہ	خواجہ عبدالرحیم
مرید	جاوید اقبال
جاوید منزل	پان
جانماز	تحصیل دار
منیرہ	مہابت خان
بغضہ	اڑھائی بجے

حوالہ متن اور سیاق و سبق کے ساتھ درج ذیل پیراگراف کی تشریح کیجیے:

”اب علی بخش کا زہن..... لیکن وہ رخصت ہو گئے تھے۔“

درج ذیل الفاظ کے مترادف لکھیے:

شریر، آمادہ، بھیڑ، سادگی، فارغ، مقدس، خوش گوار

سرگرمیاں

- علی بخش نے علامہ محمد اقبال کی نظم ”بھی اے حقیقتِ مُنْتَظَر“ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ نظم خوشحالی سے پڑھ کر جماعت کے کمرے میں سنائی جائے۔
- اقبال کی کوئی اور نظم چارٹ پر خوش خط لکھ کر جماعت کے کمرے میں آؤزیں کریں۔
- مصنف کی کوئی اور تحریر جماعت کے کمرے میں پڑھ کر سنائیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- قدرت اللہ شہاب کا تفصیلی اور بھرپور تعارف کرایا جائے۔
- شہاب نامہ سے چند اقتباسات پڑھ کر طلبہ کو سنائے جائیں۔
- چالیس برس تک علامہ محمد اقبال کی خدمت کرنے والے وفادار ملازم، علی بخش کے شخصی اوصاف کو نہیاں کیا جائے۔
- طلبہ کو علامہ محمد اقبال کی ذات و صفات اور شاعری کے حوالے سے کچھ باتیں بتائی جائیں۔

حکیم محمد سعید

(۱۹۲۰ء-۱۹۹۸ء)



نامور طبیب، ادیب اور سماجی و سیاسی شخصیت حکیم محمد سعید دہلی میں حکیم عبدالجید کے گھر پیدا ہوئے۔ انہوں نے پانچ برس کی عمر میں ناظرہ قرآن پاک پڑھ لیا۔ سات برس کی عمر میں والدہ کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل کی اور نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ پھر انہی سے مطالعہ کا شوق تھا۔ عربی، فارسی اور انگریزی سمجھی۔ ۱۹۳۹ء میں طبیبیہ کالج دہلی سے طب کی تعلیم کمل کی۔ عملی زندگی کا آغاز ہمدرد دو اخانے میں اپنے بڑے بھائی حکیم عبدالجید کے ساتھ شمولیت سے کیا۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک دونوں بھائیوں نے ہمدرد کو ایشیا کا سب سے بڑا دوا ساز ادارہ ہنا دیا۔ حکیم محمد سعید ۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔

پاکستان میں وہ ہمدرد یا ہماریز (وقف) کے پابند اور منظم ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان بھی ایسوی ایش اور پاکستان ہماریکل سوسائٹی کے صدر بھی رہے۔ ۱۹۹۳ء میں وہ صدر پاکستان کے طبقہ مشیر اور گورنمنٹ کے نمہدوں پر بھی فائز رہے۔ حکیم محمد سعید ۱۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو کراچی میں شہید کر دیے گئے۔ احمد نیم قائمی نے لکھا کہ یہ صرف ایک شخص کا نہیں، ایک طرح سے پاکستان کی شناخت کا تلیں ہے۔

حکیم محمد سعید کی تحریروں میں خاص اعتماد ہے۔ دینی، اخلاقی، بیطی اور صحیح عالم سے متعلق انہوں نے کثرت مضماین لکھے۔ پھر انہوں کے لیے بھی ان کی بڑی دل چسپ تحریریں ملتی ہیں۔ انہیں دنیا کے مختلف ممالک میں ہمارا راجانے اور گھونٹنے پھرنے کا موقع ملا، چنانچہ انہیں سماحت کا حال انہوں نے مختلف سفر ناموں میں قلم بند کیا۔

ان کی چند تصانیف یہ ہیں: اخلاقیات نبوی ﷺ، قرآن روشنی ہے، ذیابیطس نامہ، سائنس اور معاشرہ، قلب اور صحت، تعلیم و صحت، ارض قرآن حکیم، یورپ نامہ، جرم نامہ، کوریا کھانی، سفر دمشق، ایک مسافر چار ملک، جاپان کھانی، داستان امریک، داستان حج، داستان لندن، درون روم، سعید سیاح اردن میں، سعید سیاح تہران میں اور سعید سیاح ترکی میں۔

استنبول

تدریسی مقتضد

- ۱۔ برا در اسلامی ملک خرکی کے بارے میں طلبہ کی معلومات میں اضافہ کرنا۔
- ۲۔ اشیا اور یورپ کے عجم پر واقع خوشی کے شہر استنبول کی عالمی اور تاریخی اہمیت بجاگ کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو حکیم محمد سعید کے طرز تحریر سے آگاہ کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو جغرافیائی، تاریخی، شناختی اور تہذیبی معلومات تحریر کرنے کے فن سے آشنا کرنا۔
- ۵۔ طلبہ کو سفر نامے کی خوبیوں سے واقفیت دلانا۔

استنبول ترکی کا ایک شہر ہے۔ استنبول کے شہر پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ۷۲۰ء میں ہوا تھا، لیکن وہ سات سال تک حاصل رہے کے بعد ناکام واپس ہوئے۔ اس حاصلے کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوالعلاء بن انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک تھے۔ اسی ہم کے دوران میں ان کا انتقال ہوا اور وہ استنبول ہی میں مدفون ہوئے۔

استنبول (قسطنطینیہ) کی قلعہ، براڈنٹنی ^① کے بیٹے محمد ہانی کے لیے، جسے محمد قاتع ^② بھی کہا جاتا ہے، مقدمہ رہو بھی تھی۔ سلطان محمد قاتع نے ۱۳۵۲ء میں شہر استنبول پر پوری منصوبہ بندی کے ساتھ حملہ کیا۔ ۱۳۵۳ء میں کو استنبول پر مسلمانوں کا کامل قبضہ ہو گیا۔ سلطان قاتع انداز سے شہر میں داخل ہوا اور سب سے پہلے اس نے ایاصوفیہ میں شمعی کی نماز پڑھی۔

جب مسلمانوں نے قسطنطینیہ کو قبضہ کیا تو یہاں کے لوگ ڈور لکل گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جب فاتحین یہاں پہنچیں کے تو آسان سے ایک فرشتہ اتر کر آن کو واپس دھکیل دے گا۔ سلطان محمد قاتع گھوڑے سے اتر کر کیسا کے اندر داخل ہوا اور اس نے دہیں نماز ادا کی۔

مسلمانوں نے اس میں بہت سی تغیرات کا اضافہ کیا۔ دیواروں اور چھوٹوں کی چیزیں کاری پر سرمی قلعی کروادی گئی۔ جن دیواروں پر نہ بنتے ہوئے تھے، انہیں نہبدم کرواد کے قئی دیوار بخواہی گئی۔ سلطان محمد نے ایک بلند ہیئت تعمیر کروایا۔ سلیمان ہانی ^③ نے شہل کی جانب دوسرا ہیئتہ بنوایا، مراد ہالٹ ^④ نے باقی دو ہیئت اور مرمت کا سارا کام کمل کروایا۔ اس نے صدر دروازے کے پاس اندر کی طرف سکب جراحت کی دو بڑی بڑی نالیاں بنوائیں اور وہ دو بڑے چبوترے تعمیر کرائے، جن پر پہنچ کر قرآن پاک کی حلاوت کی جاتی تھی۔

ایاصوفیہ کے برابر قبرستان ہی میں اکثر ہفتانی حکمرانوں کے مزار واقع ہیں۔ سلطان مراد رامن ^⑤ نے مسجد کی خالی دیواروں پر مشہور خطاط مصطفیٰ چلپی سے بڑے بڑے نہرے حروف میں آیات قرآنی لکھوائیں۔ محمود اول ^⑥ نے ۱۳۵۲ء میں

۱۔ حضرت ابوالعلاء بن انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے ولیین میزان بنے کا مزار اور شرف حاصل ہوا۔

۲۔ مراد ہالٹ میں سلطنت کا ایک جلیل القدر بادشاہ تھا۔

۳۔ سلطان محمد قاتع (اصل نام محمد ہانی) کو یہ اعزاز و اغفار حاصل ہے کہ مسلمانوں کی صدیوں کی کوششوں کے بعد اس کے ہاتھوں تختقشیخ ہوا۔ یہ سلطنت کے اولوں اعظم فرمان رواجے چھوٹوں نے اپنے اپنے دور حکومت میں ترکی کو سمجھم اور خوش حال ہنانے کی مقدمہ رہم کوشش کی۔

وسعِ چھت کا سلطانی راستہ، ایک خوب صورت فوارہ، ایک مدرسہ اور شمال میں ایک وسیع دار الطعام بنوایا، نیز مسجد میں ایک بیش قیمت کتب خانہ قائم کیا۔

سلطان عبدالجید کے عہد میں مسجد کے جن حصوں کے مہدم ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، ان کی مرمت کروائی گئی۔ مشہور خطاط مصطفیٰ عزت آفندی کی لکھی ہوئی آٹھ گول لوئیں بھی اسی عہد میں نصب کی گئیں۔

إِسْتَبْول يَا قُسْطُنْطُنْيَّةِ کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ یہی ہے کہ اسے مساجد کا شہر کہا جاتا ہے، جہاں عثمانی عہد کا طرزِ تعمیر اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یوں تو پورے شہر میں تقریباً پانچ سو مساجد ہیں لیکن اسلامی فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سلیمانیہ مسجد ہے۔

دو تین سال پہلے میں ترکی حکومت کی دعوت پر آیا تھا۔ کویت میں قائم مرکزِ طبِ اسلامی کے زیرِ اہتمام إِسْتَبْول میں تیسری طبِ اسلامی کا نفرنس ہوئی تھی۔ ترکی کے میرے ایک دوست ڈاکٹر پروفیسر ڈوگوا بابا پی ہیں۔ وہ ترکی کی تمام یونیورسٹیوں کے سربراہ ہیں۔ إِسْتَبْول کا نفرنس کا انھوں نے شاندار انتظام کیا تھا۔ ترکی کے وزیرِ اعظم جناب ٹرگت اوزال ہمارے میزبان تھے۔ ہم سب مندوں میں ان کے ساتھ سلیمانیہ میں نمازِ جمعہ ادا کرنے آئے تھے۔ تمام مندوں میں کے لیے اذل صف میں انتظام تھا۔ ہزار ہا نمازی تھے۔ مسجد کچھ بھری ہوئی تھی۔ خطبہ جمعہ آدھا عربی اور آدھا ترکی زبان میں تھا۔ جب نمازِ جمعہ فتح ہوئی تو اعلان کیا گیا کہ ”مندوں میں کے لیے راستہ دے دیں۔“

ذر اسایہ اعلان ہوتے ہی منبر سے دروازے تک چار فیٹ کا راستہ بن گیا۔ نمازی دور ویہ کھڑے ہو گئے۔ ایک انسان اپنی بجھ سے نہ ہلا اور ہم سب مندوں میں نہایت اطمینان سے باہر آگئے۔ تنظیم کی بات ہے۔ ٹرک اب دنیا کی ایک نہایت شاکستہ اور منظم قوم بن چکے ہیں۔ ان کا یہ ڈپلن ان کو دنیا کی بڑی قوم بنا رہا ہے۔

اس مسجد کی تعمیر سلطان سلیمان کے ایما پر فنِ تعمیر کے مشہور ماہر معمار جناب محترم سنان کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کا سنگ بنیاد ۱۵۵۰ء میں رکھا گیا اور ۱۵۵۷ء میں اس کی تعمیر پاٹی تکمیل کو پہنچی۔ یہ مسجد ترکی کی تمام مساجد سے ممتاز ہے۔ اس مسجد کا گنبد بہت ہی دل نواز ہے، اس گنبد کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے پانچ اور گنبد ہیں، جو بالکل اس طرح محسوس ہوتے ہیں، جیسے تاروں کے درمیان چاند۔ اس مسجد کی کھڑکیوں پر بے انتہا نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ یہ مسجد تو کوئی کے فنِ تعمیر اور ان کی نفاست پسندی کا حسین مرقع ہے۔

سلیمانیہ سے ملجن ایک بڑا کتب خانہ ہے۔ یہاں مخطوطات کا سب سے بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اندازے کے مطابق ایک لاکھ می کتابیں یہاں ہیں اور نہایت ترتیب و تنظیم سے رکھی ہوئی ہیں۔ جب میں اپنے رفیقوں کو باسفورس، گولڈن ہارن اور ایسا صوفیہ

کی سیر کرتا ہوا یہاں سے سیمانیہ میں لا یا تو سب کی حیرت و سرست کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہم سب نے یہاں اچھا خاصا وقت صرف کیا۔ اب یہاں سے ہم توپ کاپی سرائے چلے کہ ترکی میں یا ایک نہایت اہم عجائب گھر ہے۔

ہم سب دوست، یعنی محترمہ خانم ڈسلاوا، محترم ڈاکٹر محمد شعیب اختر، محترم ڈاکٹر عطاء الرحمن، محترم جناب ڈاکٹر ظفر اقبال توپ کاپی پہنچ گئے۔ یہاں آئے تو سیالیوں (ٹورسٹوں) کا تھم غیر تھا۔ میرے دوستوں کو ناشتے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ توپ کاپی میں اندر نہایت زوردار ناشتا کیا۔ میں نے بس جوں نوش جان کر لیا۔ ان دوستوں نے ترکش بند کی خوب تعریف کی۔ خیر جناب! جلدی، جلدی ناشتا کر کے ہم توپ کاپی سرائے میوزیم دیکھنے کو چل پڑے۔

استنبول کے عجائب خانوں میں توپ کاپی کی حیثیت شہرہ آفاق ہے۔ یہاں روی، برلنی اور عثمانی عہد کی ہزاروں لاکھوں قیمتی اشیا کی گئی ہیں، اس میں عثمانی سلاطین کے آثار، جواہرات، ملبوسات اور دیگر اشیائے آرائش و تزئین کے علاوہ چینی، جاپانی، عربی اور یورپی عجائب بھی رکھے گئے ہیں۔

توپ کاپی میں آثارِ قدیمہ کے ایک عجائب گھر کے علاوہ فوجی عجائب خانہ بھی عیینہ موجود ہے، جو ”ادقا“ کہلاتا ہے۔ اسلامی ترک، ادب اور فناشی نیز مصوری کے بھی حیرت انگیز نمونے موجود ہیں۔ اسلامی علوم و فنون اور ثقافت کو آگے بڑھانے میں سلاجقه ترک، بالخصوص عثمانی حکمرانوں کا کردار بہت نمایاں ہے۔ انہی کے علمی ذوق کی وجہ سے استنبول کا عجائب خانہ توپ کاپی، جہاں نوادر اور آثارِ قدیمہ کا مشہور عالم مرکز بنا، وہاں علم و فن کے بیش بہاذ خیروں اور نادر کتابوں کا بھی مخزن بنا۔ نوادر کتب اور اہم مخطوطات کے الگ شعبے ہیں۔ بعض ایسی کتابیں بھی وہاں موجود ہیں کہ جن کا ایک ہی نسخہ دنیا میں موجود ہے اور وہ نسخہ توپ کاپی میں ہے۔

انگریزوں کے علمی ذوق کی مدح و تاش بہت کی جاتی ہے، مگر خود ولیم راجز نے اپنی مشہور تصنیف توپ کاہی میں یہ گلہ کیا ہے کہ انگریزوں نے بہت سے مسلم اداروں اور خاص طور پر بیش الحکمت کا ذکر تو ضرور کیا ہے لیکن توپ کاپی کو نظر انداز کر دیا، جہاں قدیم اسلامی عہد کی نادر و نایاب کتابیں بہ کثرت موجود ہیں اور مخطوطات و مسودات کے لحاظ سے بھی دنیا کے عجائب خانے اور بہت سے میوزیم اس کے مقابلے میں بیچ ہیں۔ تقریباً ہر علم و فن سے متعلق اہم کتابیں یہاں موجود ہیں۔

فنِ خطاطی کے مظہر کی حیثیت سے قرآن کریم کی وہ آیات توپ کاپی میں موجود ہیں، جو مشہور خطاطوں کی ہنرمندی کے نمونے کی حیثیت سے عالمی شہرت رکھتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سوانح پرنس میں ایک اہم مخطوطہ بھی توپ کاپی میں موجود ہے۔

استنبول آکر مسجد سلطان احمد کیسے نہ دیکھتے! ہمیں تو نمازِ ظہر بھی ادا کرنی تھی۔ یہاں سے ہم مسجد سلطان احمد آگئے۔

سلطان احمد، سلطان محمد ثالث کا بڑا لڑکا تھا، چودہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ نو عمری کے باوجود ایک پختہ کار اور صاحب تدریب دادشاہ تھا۔ سلطان احمد نے ۲۸ سال کی عمر میں ۲۲ نومبر ۱۶۱۴ء کو وفات پائی۔

یہ اس کی بنائی ہوئی شان دار مسجد ہے، جو شاہی مساجد میں بہت ممتاز ہے اور قدیم زمانے میں وہی جامع مسجد تھی۔ آج جامع سلطان احمد اپنے پچھے میnarوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسے سلطان احمد نے اپنی وفات کے سال مکمل کیا۔ یہ شاہی مسجد، بہت سے مذہبی تہواروں کے منانے کی جگہ اور بہت سے درباری رسی جلوسوں کا مرکز رہ چکی ہے۔ مسجد تاریخی حیثیت کی حالت ہے۔ یہاں سب نے وضو کیا۔ نمازِ ظہر اور نمازِ عصر ملا کر پڑھی۔ سیلانیوں کا یہاں بھی جمع تھا اور خوب تھا۔ اب ہم اتنبول کی سیر کے آخری مرحلے میں آگئے تھے۔

میں ترکی جب بھی آتا ہوں، حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر ضرور آتا ہوں۔ آج بھی ہم پانچوں سو ایکس میں مزار آخیز پر حاضر ہوئے۔

حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ علم ایسا تھا کہ صحابہ کرام مسائل کی تحقیق میں انہی سے رہنمائی کرتے تھے۔ حضرت ابوالیوب انصاری کی شخصیت میں تین چیزیں نمایاں تھیں: جوش ایمانی، حق گوئی اور آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنے کر اس محبت و عقیدت۔ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مرتبہ و مقام یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میزان بان رہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ متوہہ میں داخل ہوئے تو ہر شخص چاہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام اس کے یہاں ہو، لیکن کارکنان قضاقدہ نے اس شرف کے لیے جس گھر کو دیکھا، وہ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شاہزادہ تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کی روشنی میں فتح قسطنطینیہ کے لیے حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں، جیسا کہ ابتداء میں ہم ذکر کرچکے ہیں، قسطنطینیہ پر فوج کشی ہوئی تو حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس گروہ میں شریک تھے۔ سفر جہاد میں ایک وبا پھیل گئی۔ مجاہدین کی بڑی تعداد اس وبا کا شکار ہوئی۔ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی علیل ہوئے۔ ان کا انقال ہوا تو مسلمان مجاہدین نے انھیں رات کے وقت قسطنطینیہ (إسٹنبول) کی دیواروں کے نیچے دفن کر دیا۔ آج یہی مقبرہ دنیا کے مسلمانوں کے لیے ترقی خیر و برکت بنا ہوا ہے۔ اب ہمیں اتنا ترک ہوائی میدان جانا تھا۔ اپنا سامان لینا تھا۔ آؤنا^① جانے والے جہاز میں بیٹھنا تھا۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میں نے اپنے ان دوستوں کو آج آٹھ گھنٹے میں اتنبول کی سیر کرداری۔

(سعید سیاحت ترکی میں)



۱۔ پر ترکی کا نبڑا ایک جھونٹا اگر تاریخی شہر ہے۔

مشق

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجیے:

- (الف) اسٹنبول پر مسلمانوں کے پہلے حملہ کی خاص بات کیا ہے؟
- (ب) یا صوفیہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ مختصر تحریر کیجیے۔
- (ج) ترکی میں جمہ العبارک کا آدھا آدھا خطبہ کن دوز بانوں میں دیا گیا؟
- (د) ”توپ کاپی“ میوزیم کا تعارف اپنے الفاظ میں کرایے۔
- (ه) مصنف کے شریک سفر دوستوں کے نام تحریر کیجیے۔

حوالہ متن اور سیاق و سبق کے ساتھ درج ذیل پیراگراف کی تشریح کیجیے:

”توپ کاپی میں آثار قدیمہ کے جن کا ایک ہی نخدود نیا میں موجود ہے۔“

سبق ”اسٹنبول“ کا متن مذکور رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) سبق ”اسٹنبول“ کس کی تحریر ہے؟

- | | | | |
|----------------|------|----------------|-------|
| حکیم محمد سعید | (ii) | آخر ریاض الدین | (i) |
| شیخ عقیل | (iv) | قدرت اللہ شہاب | (iii) |
- (ب) مسجد سلیمانیہ کس نے تعمیر کرائی؟

- | | | | |
|-----------------|------|-------------|-------|
| سلطان سلیمان | (ii) | سلطان مراد | (i) |
| سلطان عبدالحمید | (iv) | سلیمان ثانی | (iii) |

(ج) یا صوفیہ کے بابر کیا ہے؟

- | | | | |
|--------------------------|------|-----------|-------|
| کتاب خانہ | (ii) | عجائب گھر | (i) |
| فویجی عجائب خانہ (اوپاف) | (iv) | قبرستان | (iii) |
- (د) مسلمانوں نے اسٹنبول پر پہلا حملہ کب کیا؟

- | | | | |
|------|------|------|-------|
| ۱۷۲ء | (ii) | ۱۷۳ء | (iii) |
| ۱۷۷ء | (iv) | ۱۷۴ء | |

(ه) مسلمانوں نے اسٹنبول کا حاصرہ کتنے سال بعد آنھایا؟

- | | | | |
|-----|------|------|-------|
| سات | (ii) | پانچ | (i) |
| نو | (iv) | آٹھ | (iii) |

(و) اسنبول کا قاتع کون ہے؟

- (i) حضرت ابوالیوب النصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- (ii) سلطان محمد قاتع
- (iii) مراد خانی
- (iv) سلطان سلیمان

(ز) اسنبول کو کس کا گھر کہا جاتا ہے؟

- (i) عجائب گھروں کا
- (ii) مسجدوں کا
- (iii) مقبروں کا
- (iv) کتب خانوں کا

(ح) مسجد سلیمانیہ کے ساتھ کتب خانے میں کتنے قلمی نئے ہیں؟

- (i) تیس ہزار
- (ii) چھاس ہزار
- (iii) ڈیڑھ لاکھ
- (iv) ایک لاکھ

۔۔۔ سبق "اسنبول" کے متن کے مطابق کالم (الف) کے الفاظ کا ربط کالم (ب) کے الفاظ سے کریں:

کالم (ب)	کالم (الف)
حضرت ابوالیوب النصاری	دوسرائیتار
سلطان محمد قاتع	توپ کاپی
سلیمانی	قاتع اسنبول
ولیم راجرز	آٹھ لوگیں
مصطفی عزت آفندی	چھے بینار
جامع سلطان احمد	تمیں نمایاں چیزیں

۔۔۔ متن کی روشنی میں تو سین میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ منتخب کر کے خالی جگہ پر لکھیجیے:

- (الف) سلطان محمد قاتع گھوڑے سے اتر کر میں داخل ہوا۔ (مسجد، غار، محل، کلیسا)
- (ب) پورے شہر میں مساجد ہیں۔ (چارسو، پانچسو، چھتسو، ایک ہزار)
- (ج) ترکی کے وزیر اعظم جناب ترگت او زال ہمارے تھے۔ (ہمراہ، میزبان، مہمان، مہربان)
- (د) سلیمانیہ سے ملت ایک بڑا ہے۔ (کتب خانہ، مدرسہ، کالج، عجائب گھر)
- (ه) جامع سلطان احمد اپنے میباروں کی وجہ سے مشہور ہے۔ (چار، چھے، آٹھ، دس)

۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:
 محاصرہ، جلیل القدر، مددوں، سرمی، نہیدم، تنظیم، مخلوط، مُؤودہ، کاشانہ، قضاقدہ، مُرجع
 اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

- ۱۔ آپ کو استنبول کی جوبات سب سے زیادہ پسند آئی ہو، اسے کاپی میں لکھ کر اپنے استاد کو دکھائیں۔
- ۲۔ سبق میں مسجد سیمانیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر کے ایک پیر اگراف لکھیں۔
- ۳۔ طلبہ اپنے کسی سفر کے حالات اور تاثرات و مشاہدات مختصر اپنی کاپی میں لکھیں اور اپنے استاد کو دکھائیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کو سفرنامے کی صفت کا بھرپور تعارف کرایا جائے کہ یہ ادب، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ کا مجموعہ ہے اور اس میں معلومات کے ساتھ ساتھ تحریر اور تجسس کے عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔
- ۲۔ نقشے کی مدد سے طلبہ کو استنبول اور ترکی کا محل و قوع بتایا جائے۔
- ۳۔ ترکی اور پاکستان کے تعلقات کے بارے میں طلبہ کی معلومات میں اضافہ کیا جائے۔
- ۴۔ ترکی کے کسی اور سفرنامے کے کچھ حصے جماعت کے کمرے میں طلبہ کو سنائے جائیں۔

مرزا سداللہ خاں غالب

(۱۸۶۹ء—۱۷۹۷ء)

مرزا غالب آگرہ میں پیدا ہوئے۔ اصل نام مرزا سداللہ خاں بیگ تھا۔ پہلے آسہ بعد میں غالب تخلص اختیار کیا۔ پانچ سال کی عمر میں مرزا کے والد عبد اللہ بیگ فوت ہو گئے۔ ان کے چچا ناصر اللہ بیگ نے ان کی پرورش کی۔ تیرہ برس کے تھے کہ امرا و بیگم سے ان کی شادی ہو گئی۔ غالب نے ابتدائی تعلیم آگرہ میں حاصل کی۔ ان کے سرال دہلی میں تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ بھی دہلی منتقل ہو گئے۔

غالب کو انگریزی سرکار سے باستھرو پے چار آنے ماہوار پشن ملتی تھی۔ یہ رقم ان کے اخراجات کے لیے ناقابلی تھی۔ بعض امراء ان کی مالی مدد کیا کرتے تھے، پھر بھی غالب ہمیشہ معاشی تنگ دتی کا شکار رہے۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار سے تعلق پیدا ہوا۔ خاندان مغلیہ کی تاریخ لکھنے کے عوض پچاس روپے ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔ ۱۸۵۳ء میں ذوق کے انتقال پر بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔ مرزا غالب نے ۱۵ افروری ۱۸۶۹ء کو دہلی میں وفات پائی۔

مرزا غالب ایک نایجہ روزگار شخص تھے۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر، صاحب اسلوب نثر نگار اور اعلیٰ درجے کے تاریخ نویس تھے۔ فارسی زبان کا خداداد ذوق رکھتے تھے۔ غالب کے بقول: ”ان کا فارسی کلام، اردو شاعری سے بھی زیادہ اوپنے درجے کا ہے۔“ اگرچہ شہرت انھیں اپنے اردو دیوان ہی سے ملی۔

مرزا غالب نے مکتب نویسی میں بھی اپنی الگ راہ نکالی۔ ان کی چدت پسندی نے اردو نثر کو نیا انداز و آنکھ عطا کیا۔ انھوں نے خطوں کے رسمی انداز کو ترک کیا اور خط کو بے تکلفانہ گفتگو اور شخصی، دلی جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ خود کہتے ہیں: ”میں نے مراسلے کو مکالہ بنادیا ہے۔“

ان کے خطوں کا ایک مجموعہ عبود ہندی کے نام سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہو گیا تھا، دوسرا مجموعہ اردو میں مُعلّیٰ ان کی وفات کے مہینا بھر بعد چھپ کر آیا۔ دیوان غالب کے علاوہ ان کی زیادہ تر تصانیف دستِ نبو، پنج آہنگ، وہر نیم روز، قاطع بُرهان وغیرہ فارسی زبان میں ہیں۔

خطوط غالب

تدریسی مقاصد

- ۱۔ ایک موثر ذریعہ ابلاغ کے طور پر مکتب نگاری کی اہمیت واضح کرنا۔
- ۲۔ غالب کی مکتب نگاری کے منفرد انداز کا تعارف کرانا۔
- ۳۔ طلبہ کو خط کے مختلف حصوں (پیشانی، القاب و آداب وغیرہ) کی ضرورت اور اہمیت سمجھانا اور بتانا کہ غالب نے روایتی انداز نہیں اپنایا۔
- ۴۔ طلبہ کو اپنا مافی افسوس برلانگفت لکھنے کے لائق بنانا۔

(۱)

مشی ہر گوپاں تفتہ کے نام

اللّهُ اللّهُ! ہم تو کوں سے تمھارے خط کے آنے کے منتظر تھے۔ ناگاہ کل جو خط آیا، معلوم ہوا کہ دودن کوں ^① میں رہ کر سکندر آباد ^② آگئے ہوا وہاں سے تم نے خط لکھا ہے۔ دیکھیے! اب یہاں کب تک رہو اور آگرہ کب جاؤ۔ پرسوں بخوردار شیوزائن ^③ کا خط آیا تھا۔ لکھنے تھے کہ کتابوں کی شیرازہ بندی ہو رہی ہے۔ اب قریب ہے کہ بھیجا جائیں۔ مرزا مہر ^④ بھی ایک ہفتہ ملتاتے ہیں۔ دیکھیے! کس دن کتابیں آجائیں۔ خدا کرے سب کام دل خواہ بنا ہو۔

ہاں صاحب! مشی بالکل بے صبر ^⑤ کے ایک خط کا جواب ہم پر فرض ہے۔ میں کیا کروں؟ اس خط میں انھوں نے اپنا سیر و سفر میں مصروف ہونا لکھا تھا۔ بس میں ان کے خط کا جواب کہاں بھیجتا؟ اگر تم سے میں تو میرا سلام کہ دینا اور مطیع آگرہ ^⑥ سے کتابوں کا حال تم خود ریافت کرہی لو گے، میرے کہنے اور لکھنے کی کیا حاجت؟

غالب

چارشنبہ، سوم نومبر ۱۸۵۸ء

- ۱۔ کوں، علی گڑھ کا پرانا نام ہے۔
- ۲۔ سکندر آباد، ضلع بلندشہر (یونی) کا ایک شہر ہے۔
- ۳۔ مشی شیوزائن آنام آگرہ میں رہتے تھے، جہاں انھوں نے ایک پرنس رکھا تھا۔ اگریزی بہت اچھی جانتے تھے۔
- ۴۔ مرزا مہر، غالب کے دوست تھے۔ ان کا پورا نام مرزا حاتم علی بیک تھا۔ وکیل اور آذربی جھنڈ بہٹ رہے۔
- ۵۔ مشی بالکل بے صبر سکندر آباد کے باشندے تھے۔ محلہ مال میں مشی گری اور داروغہ کے منصب پر مقرر تھے۔ غالب سے روابط تھے۔
- ۶۔ مطیع آگرہ مشی شیوزائن کی ملکیت تھا اور یہاں غالب کی کتاب دستیبوں چھپ رہی تھی۔

(۲)

کیوں صاحب! کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کے رہنے والے دلی کے خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں؟ بھلا اگر یہ حکم ہوا ہوتا تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا کہ زنہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جاوے۔ بہرحال:

کس بخود یا نشوون من گفتگوئے می کنم ①

کل جمع کے دن بارہ تاریخ نومبر کی، تینتیس جلدیں، بھیجی ہوئی برخوردار شیوزرائے کی پہنچیں۔ کاغذ، خط، تقطیع، سیاہی، چھاپا سب خوب۔ دل خوش ہوا اور شیوزرائے کو دعا دی۔ سات کتابیں جو مرزا حامم علی صاحب کی تحویل میں ہیں، وہ بھی یقین ہے کہ آج کل پہنچ جائیں۔ معلوم نہیں، مشی شیوزرائے نے اندر کو، واسطے رائے امید سنگھے کے، کس طرح بھیجی ہیں یاابھی نہیں بھیجیں؟

صاحب! تم اس خط کا جواب جلد لکھواد را پنے قصد کا حال لکھو۔ سکندر آباد کب تک رہو گے؟ آگرے کب جاؤ گے؟

شنبہ، ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء

جواب طلب

غالب

(۳)

میر مہدی حسین محروم کے نام

بھائی!

نہ کاغذ ہے، نہ نکٹ ہے، اگلے لفافوں میں سے ایک بیر گک لفافہ پڑا ہے۔ کتاب میں سے یہ کاغذ چاڑ کر تم کو خط لکھتا ہوں اور بیر گک لفافے میں لپیٹ کر بھیجا ہوں۔ غلیکن نہ ہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سے پہنچ گئی ہے، آج کاغذ اور نکٹ منگالوں گا۔ شنبہ ۸۔ نومبر صبح کا وقت ہے، جس کو عوام بڑی فخر کہتے ہیں۔ پرسوں تکھاراخط آیا تھا، آج جی چاہا کہ ابھی تم کو خط لکھوں، اس واسطے یہ چند سطر میں لکھیں۔

برخوردار میر نصیر الدین ⑦ پران کی بیٹی کا قدم مبارک ہو۔ نام تاریخی تو مجھ سے ڈھونڈنا جائے گا، ہاں عظیم النسب ایگم نام لھتا ہے کہ اس میں ایک رعایت ہے، شاہ محمد عظیم صاحب رحمۃ اللہ کے نام کی۔ مجہد العصر ⑧ کو میری دعا کہنا۔ تم کو کیا ہوا ہے کہ ان کو انہا چھوٹا بھائی جان کر مجہد الحصر نہیں لکھا کرتے؟ یہ بے ادبی اچھی نہیں۔ میرن صاحب ⑨ کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔

۱۔ ترجمہ کوئی بنے یا نہ بنے میں تو پہنچی بات کہ دیتا ہوں۔ ۲۔ میر نصیر الدین، مولانا فخر الدین فخر عالم کے خلیفہ شاہ محمد عالم کی اولاد سے تھے۔

۳۔ ”مجہد العصر“ سے مراد ہے میر فراز حسین (میر مہدی حسین محروم کے بھائی) جو مرزا غالب کے عزیز دوست تھے۔

۴۔ میرن صاحب کا اصل نام میر افضل علی تھا۔ لکھنوں میں مریمہ پڑھا کرتے تھے۔ غالب کے دوست تھے۔

شہر کا حال کیا جانوں کیا ہے؟ ”پون ٹوٹی“^① کوئی چیز ہے، وہ جاری ہو گئی ہے۔ سوائے اناج اور اپلے کے کوئی چیز اسکی نہیں، جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پھیس پھیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ دکانیں حولیاں ڈھانی جائیں گی۔ دارالبقافتہ ہو جائے گی۔ رہے نام اللہ کا۔ خان چند کا کوچہ شاہ بولا کے بڑتک ڈھنے گا۔ دونوں طرف سے چماوڑا اچل رہا ہے۔ باقی خیر و عافیت ہے۔ حاکم اکبر کی آمد سن رہے ہیں۔ دیکھیے دتی آئیں یا نہیں؟ آئیں تو دربار کریں یا نہیں؟ دربار کریں تو نہیں گنڈا کار بدلایا جاؤں یا نہیں؟ بلایا جاؤں تو تخلعت پاؤں یا نہیں؟ پھنس کا تو نہ کہیں ذکر ہے، نہ کسی کو بغیر ہے۔

غالب

سر شنبہ، ۸۔ نومبر ۱۸۵۹ء

(غالب کے خطوط، مرتبہ: ڈاکٹر خلیفہ الجم)

مشق

۱

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کیجیے:

- (الف) مرزا غالب نے میر مہدی حسین مجردوح کو خط، پیر گ کیوں بھیجا؟
- (ب) مرزا غالب نے میر مہدی مجردوح کو خط کب لکھا؟
- (ج) کون سی دو چیزوں پر محصول وصول نہیں کیا جاتا تھا؟
- (د) مرزا غالب نے کتابوں پر کیا رائے دی ہے؟
- (ه) تفتہ نے غالب کو خط کہاں سے لکھا تھا؟

۲

درست جواب پر نشان (✓) لگائیے:

- (الف) میر مجردوح کے خط میں کس کی بیٹی کی پیدائش کا ذکر ہے؟

- | | |
|---------------------|-----------------|
| (i) میر نصیر الدین | (ii) میر مجردوح |
| (iii) شاہ محمد عظیم | (iv) میرن |

- (ب) ”پون ٹوٹی“ (چکنی) کس چیز پر معاف تھی؟

- | | |
|----------------------|---------------------|
| (i) ترکاری اور پھل | (ii) انماج اور اپلے |
| (iii) غلہ اور ترکاری | (iv) پھل اور اپلے |

- (ج) مرزا غالب کو تفتہ کا خط کہاں سے آتا تھا؟

- | | |
|-----------|-----------------|
| (i) کلکتہ | (ii) سکندر آباد |
| (iii) کول | (iv) آگرہ |

اصل میں یافتہ ”تاکن فویٹی“ (Town Duty) ہے۔ اس نے مراد محصول چکنی ہے۔

(د) کس شخص نے کتابوں کی شیرازہ بندی کے بارے میں مرزا کو خط لکھا تھا؟

- | | | |
|-------|-----------------|--|
| (i) | تفتہ | |
| (ii) | میرن | |
| (iii) | میر مهدی مجرد ح | |
| (iv) | شیوزان | |

(ه) دوسرے خط کے مطابق مرزا غالب کو تتنی کتابیں موصول ہوئیں؟

- | | | |
|-------|----------|--|
| (i) | بیس | |
| (ii) | تینتیس | |
| (iii) | تیزتالیس | |
| (iv) | تیزیں | |

(و) مرزا غالب نے تفتہ کو دوسرے خط کب لکھا؟

- | | | |
|-------|-----------------|--|
| (i) | ۱۳۔ نومبر ۱۸۵۸ء | |
| (ii) | ۱۳۔ نومبر ۱۸۵۸ء | |
| (iii) | ۲۳۔ نومبر ۱۸۵۸ء | |

۳۔ "خطوط غالب" کے متن کو ذہن میں رکھ کر درست یا غلط پر نشان (✓) لگائیں:

- | | | |
|-------|----------|---|
| (الف) | درست/غلط | مرزا غالب نے میر نصیر الدین کو بیٹی کی پیدائش پر مبارک بادوی۔ |
| (ب) | درست/غلط | تیسرا خط میں دارالبقاء کے فنا ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ |
| (ج) | درست/غلط | مرزا غالب نے تفتہ کو پہلا خط لکھا تو تفتہ کوں میں تھے۔ |
| (د) | درست/غلط | مرزا غالب کو کتابیں ۱۲۔ نومبر ۱۸۵۸ء کو ملیں۔ |
| (ه) | درست/غلط | دوسرے خط میں دلی کے خاک نشینوں سے مراد خود مرزا غالب کی ذات ہے۔ |

۴۔ ان جملوں کی وضاحت کریں:

(الف) دارالبقاء ہو جائے گا، رہے نام اللہ کا۔

(ب) حاکم اکبر کی آمد سن رہے ہیں۔

(ج) نقشی بالکل بدے صبر کے ایک خط کا جواب ہم پر فرض ہے۔

(د) کیا یہ آئین جاری ہوا ہے؟

(ه) خان چند کا کوچہ شاہ بولا کے بڑنک ڈھے گا۔

۵۔ کالم (الف) کے الفاظ کالم (ب) سے ملائیں:

کالم (ب)	کالم (الف)
میر مهدی حسین بحروف	پہلا خط
میر نصیر الدین	شیورائے
خلیق الجم	دوسرا خط
کتابوں کی شیرازہ بندی	دارالبقا
فنا	غالب کے خطوط
ہر گوپاں تفتہ	بیٹی کا قدم مبارک

۶۔ مندرجہ ذیل پر اعراب لگائیے:
بحروف، تفتہ، مجہد العصر، برخوردار، تحول

سرگرمیاں

- ۱۔ خطوط میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے، اساتذہ سے پوچھ کر ان کا مختصر تعارف خوش خط لکھ کر جماعت کے کرے میں آویزاں کریں۔
- ۲۔ مرزا غالب کے خطوط کی تین خوبیاں لکھ کر جماعت کے کرے میں نمایاں جگہ پر لگائیں۔
- ۳۔ مرزا غالب کے دو اور آسان سے خطوط جماعت کے کرے میں پڑھے جائیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ مکتب نگاری کرنے سے طلبہ کو آگاہ کریں۔
- ۲۔ غالب نے مکتب نگاری کا نیا ڈھنگ اختیار کیا، مزید خطوط کی روشنی میں طلبہ کو اس ڈھنگ سے آگاہ کریں۔
- ۳۔ غالب کی مکتب نگاری کے مزید نمونے طلبہ کو دکھائے جائیں۔
- ۴۔ غالب کے خطوط پر مشتمل چند کتب لاہوری سے لا کر طلبہ کو دکھائی جائیں۔

رشید احمد صدیقی

(۱۸۹۶ء-۷۷ء)



رشید احمد صدیقی اتر پر دلیش کے قصے مریا ہو ضلع بلیا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد جون پور چلے گئے، جہاں انھوں نے ۱۹۱۳ء میں انٹرنس پاس کیا۔ گھر بیلو حالات سازگار نہ تھے، اس لیے انڑا اور بی اے کی تیاری کے ساتھ ساتھ کمی ملازمتیں بھی کرنی پڑیں۔ ۱۹۲۱ء میں علی گڑھ سے ایم اے (اردو) امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اردو کے پیغمبر اور ہو گئے۔ ۱۹۵۸ء میں یہیں سے بطور صدر شعبہ اردو سبک دوش ہوئے۔ بقیہ عمر علی گڑھ میں گزری اور یہیں پویہ خاک ہوئے۔

رشید احمد صدیقی ایک صاحب طرز انشا پرداز تھے۔ بنیادی طور پر وہ طنز و مزاج نگار تھے۔ سنجیدہ مزاج اور طنز و ظرافت میں وہ ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے نہایت خوب صورت شخصی مرقعے بھی لکھے ہیں۔ ان کی غیر افسانوی اور تنقیدی نثر کے مرکزی موضوعات میں علی گڑھ، اردو غزل، تحریک سر سید اور بعض تہذیبی موضوعات شامل ہیں۔ ان کے خطوط کے تقریباً ایک درجہ مجموع چھپ چکے ہیں، جو ان کی انشا پردازی کے عمدہ نمونے ہیں۔

رشید احمد صدیقی کی تصانیف میں: طنزیات و مضجعکات، مضامینِ رشید، آشفتہ بیانی میری، گنج ہامے گران مایہ، ہم نفسانِ رفتہ، جدید غزل، غالب کی شخصیت اور شاعری، اقبال کی شخصیت اور شاعری اور خندان شامل ہیں۔



خطو طرشید احمد صدیقی

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ پر مکتوب نگاری کی اہمیت واضح کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو شید احمد صدیقی کے خطوط کی روشنی میں ان کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں سے آگاہ کرنا۔
- ۳۔ رشید احمد صدیقی کی مکتوب نگاری کے منفرد پہلوؤں کا تعارف کرانا۔
- ۴۔ طلبہ کو دیے گئے خط کے ذریعے سے تعریف نامہ لکھنا سکھانا۔
- ۵۔ طلبہ کو تحریر کے ذریعے سے مافی افسوس ادا کرنے کا سلیقہ سکھانا۔

بنا نڈا کٹر محمد حسن

ڈاک باغ، یونیورسٹی، علی گڑھ

اتوار، ۲۷ فروری ۱۹۷۳ء

ڈاکٹر صاحب محترم! سلام شوق

سب سے پہلے نوازش نامے ہی سے ۲۲ فروری کو خوش خبری ① مل گئی تھی لیکن احتیاط کے خیال سے اس کا ذکر گھروالوں سے بھی نہیں کیا۔ چاہتا تھا کہ تصدیق ہو جائے تو سب سے پہلے آپ کی محبت کا شکریہ ادا کروں گا۔ رات ریڈ یو سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ انعام پانے کی خوشی اپنی جگہ پر رہی لیکن اس سے بھی کچھ کم متاثر نہیں ہوں کہ آپ کو میرا اتنا خیال رہا۔ سوچتا ہوں، جب سے ہم دونوں کا ایک دوسرے سے سابقہ ہوا، آپ کی خدمات (احسانات) کی تعداد، مقدار اور قدر و قیمت میری ان چھوٹی مولی باتوں سے کہیں زیادہ ہیں، جو آپ کے لیے میں نے کبھی محابرہ کی ہوں گی۔ آپ کی شرافت، قابلیت اور دریینہ وضع داری کا مجھے جواہر اس ہے، میرا خیال ہے کہ آپ کے لیے کسی دوست، عزیز اور بزرگ سے کم نہیں ہے۔ ان نظام خطبات کو شہرت دینے اور کامیاب بنانے میں آپ کا گراں قدر حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش، نیک نام اور اقبال مندر کے، آمین۔ بیکم صاحبہ اور بچوں کو بہت بہت دعا۔

خداحافظ

مغلص

رشید احمد صدیقی

۱۔ ساہتیہ اکادمی دہلی کی طرف سے ملنے والے اعزاز کی طرف اشارہ ہے۔

بِنَامِ ظَهِيرَةِ اَحْمَدِ صَدِيقٍ

ذَاكِرِ بَاغ، عَلَى گُرَّهِ مُسْلِمِ یونیورسٹی، عَلَى گُرَّهِ
۱۰۔ جُولائی ۱۹۷۳ء

عَزِيزُ گرَائِی! دُعا

مولانا ناصیحاً احمد صاحب مرحوم آپ کے والدِ محترم میرے اور کتنے ہی دوسروں کے رفیق و شفیق تھے۔ مرحوم کے سانحہِ رحلت پر آپ کو اور ہم سب کو جو صدمہ ہوا ہے، اس کا اندازہ ہم سے، آپ سے زیادہ اور کس کو ہو سکتا ہے۔ مرحوم کے سایہِ شفقت میں آپ زندگی کے مُخْكِّمات سے بہرہ مند ہوئے اور سب کی نظر وہ مُفتَّر ہیں۔ لکنی بڑی یہ سعادت آپ کو فیض ہوئی۔
میرا خیال ہے کہ مرحوم سے شاید ہی کبھی کسی شخص کو تکلیف پہنچی ہو۔ شریف شخص کی یہ صفت سب سے معترمانی گئی ہے۔
اُردو، فارسی اور عربی ادبیات پر مرحوم کی نظر بڑی گہری، وسیع اور منتوٰع تھی جس کے ہم سب ہمیشہ معرف رہے اور اس سے استفادہ کیا۔ نالمامِ الفاظ کبھی زبان پر نہیں لائے۔ بڑے شوق اور سنجیدگی سے علمی مسائل پر اظہارِ خیال فرماتے۔
مرحوم کی مفارقت سے مشرقی ادب اور آداب کی محفل میں جو جگہ خالی ہوئی ہے، وہ مستقبل قریب میں شاید ہی پر ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو سایہِ رحمت میں جگد رہے اور ہم سب کو صبر جیل عطا فرمائے۔ آمین

مخلص

رشید احمد صدیقی

بِنَامِ پروفسِر سید بشیر الدین

ذَاكِرِ بَاغ، یونیورسٹی، عَلَى گُرَّهِ
شنبہ، ۳۔ نومبر ۱۹۷۳ء

بَشِيرِ صَاحِبِ، بَكْرَم!

آداب!

۷۔۲۔ اکتوبر کا نوازش نامہ مل گیا تھا۔ جواب میں دری ہو گئی، ورنہ خطوط کا جواب عموماً ہم روزہ دیتا ہوں۔ اپنے اوپر کسی قسم کا بقايانہ نہیں رکھنا چاہتا۔ معلوم نہیں کہ کیا ہو جائے تو کوئی یہ نہ کہے کہ مجھ پر اس کا کچھ واجب الادا تھا۔
کچھ دنوں سے ہجوم میں تھائی کا احساس ہونے لگا ہے جو روز بروز گہرا ہوتا جاتا ہے۔
آپ نے خود اپنے، اپنے مطالعے، اپنے اشغال، علی گُرَّہ کی زندگی اور اللہ آباد کے موجودہ شب و روز کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کی تصدیق کرتا ہوں، اس لیے کہ زمانہ اور زندگی کے تقریباً اسی طرح کے سردو گرم سے میں بھی گزر رہا ہوں۔ کچھ احوال بد لے ہوئے ہیں مگر لیکن ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔
موجودہ صدی کی ابتداء میں تقریباً ۳۰، ۴۰ سال تک ہر متوجہ مسلمان گمراہ کا یہی نقشہ رہا ہے۔ ان خاندانوں کی کچھ

مشترک خصوصیات و روایات اور روحانیات تھے، جن کا سرچشمہ مذہب، اخلاق، تاریخ اور تہذیب تھی، جن کی پیروی اطراف و جوانب میں دور دور کی جاتی تھی۔ کسی نہ کسی حد تک اب بھی کی جاتی ہے اور اس کے بھلے یا برے نتائج سامنے آتے رہتے ہیں۔ ان خصوصیات کے نمونے اور نمایندے ہر مشترک خاندان کے افراد میں کچھ دنوں پہلے تک مل جاتے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر یا مشترک مکتبوں (بالعلوم مساجد) میں ہوتی تھی۔ مزید مطالعے کا کام گھر کے خصیر ذخیرہ کتب سے لیا جاتا، جن میں مذہبی، اخلاقی اور تفریحی کتابیں ہوتیں۔ گھر کی یا گھریلو کتابیں اور عزیزوں اور بزرگوں کے شریفانہ طور طریقے اور ان کی دوی ہوئی روایات ہوتیں جو ابتدائی عمر کی ہماری تجھیں (Imagination) کو گردی اور جولانی بخشتیں۔ اسی تجھیں کو لیے ہوئے ہم یا یہ تجھیں ہم کو لیے ہوئے علی گڑھ میں داخل ہوئی۔ یہاں سے وہ کرشمہ انقلاب یا قلب ماہیت شروع ہوتی ہے جس کا درست نام علی گڑھ ہے۔ جو باقی اس سے پہلے خواب میں دیکھی تھیں، ان کی تصور و تجھیں علی گڑھ میں دیکھی اور پائی۔ اسلاف کی عظمت، خاندان کے بزرگوں کی شفقت اور سہارا اور ساتھیوں کی شرافت، سخاوت اور آرزومندی سے آشنا اور بہرہ مند ہوا۔ ان کے ساتھ رہنے اور رنج و راحت میں شریک ہونے میں اپنی بڑائی دیکھی۔ پھر جو کچھ ہوا، وہ میں اور آپ اپنی اپنی زندگی میں دیکھ کر اپنے کومبارک باد دیں اور خوشی اور فخر محسوس کریں تو کیا حرج!

جو باقی اور عرض کی ہیں، کیا میری طرح آپ پر، یا آپ کی طرح مجھ پر نہیں گزری ہیں؟ جن کتابوں اور سربراہوں نے آپ کو متاثر کیا، کم و بیش اُنھی نے مجھے بھی کیا۔ میں معلم بنا، آپ کو کتابوں کی دولت اور امانت سوپی گئی۔ آپ نے اس کا حق ادا کر دیا جس کا ثبوت آپ کی ہندوستان گیر شہرت اور آپ کے مشورے اور مدد کی ہر طرف سے متواتر اور مسلسل مانگ (Demand) رہی ہے۔ آپ کے انگریزی اور سیمع و متفق ع مطالعے کا ہر وہ شخص مترضی ہے جو آپ کو جانتا ہے۔ آپ نے لاہوری کے تقاضوں کو ایک پہنچ اور ایک جو یائے علم دنوں کی حیثیت سے پورا کر دیا۔ علی گڑھ سے یہ بہت بڑی نسبت ہے، جس سے آپ مدد توں پادر کے جائیں گے۔ علی گڑھ کا آپ کا مطالعہ قابل غور ہے۔ آپ کے دل میں علی گڑھ کی وہی قدر و قیمت ہے جو ہندوستان کے باہر کے اہل علم و فن کی ہو سکتی ہے اور ہے لیکن کیا سمجھیے کہ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو اچھی اور بڑی چیز کا احترام کرنے کی استعداد سے محروم ہو چکے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو صرف علی گڑھ کے طفیل، وہ اختیار و اقتدار و دولت نصیب ہوئی، جس کا وہ علی گڑھ سے دور رہ کر خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

بیش صاحب! بہت کچھ اور لکھنا چاہتا تھا لیکن تھک گیا۔

اچھا بیش صاحب! خدا حافظ۔ مُحلقین کو دعا۔ محترمہ بیگم صاحبہ کو سلام

مغلص

رشید احمد صدیقی

(خطوط رشید احمد صدیقی مرتب: ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید)

مش

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجیے:

- (الف) رشید احمد صدیقی کے پہلے خط کے مخاطب کا نام کیا ہے؟

(ب) "خطوط کا جواب عموماً ہم روزہ دیتا ہوں" اس سے کیا مراد ہے؟

(ج) مکتب نگار نے خاندانوں کی مشترک خصوصیات و روایات کا سرچشمہ کس چیز کو قرار دیا ہے؟

(د) ظہیر احمد صدیقی کے نام مکتب میں کس شخصیت کی وفات پر اظہار تحریک کیا گیا ہے؟

(ه) ڈاکٹر محمد حسن کا شکر پر کس بات پر ادا کیا گیا ہے؟

متن کی روشنی میں تو سین میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر لکھیے:

- (الف) رشید احمد صدیقی نے اپنے خوابوں کی تعبیر میں پائی۔ (کلکتہ، علی گڑھ، دہلی)

(ب) سید بشیر الدین لا بجریری کے مہتمم کے علاوہ بھی تھے۔ (محتمم، معلم، علم کے متلاشی)

(ج) رشید احمد صدیقی بشیر احمد صاحب کو مزید لکھنا چاہتے تھے، مگر.....

(انھیں نیندا آگئی، وہ تھک گئے، ایک اور کام میں مصروف ہو گئے)

- (د) صدیقی صاحب نے کے والد صاحب کی وفات پر انھیں تعزیتی خط لکھا۔
 (ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر محمد حسن، سید بشیر الدین)

(۶) رشید احمد صدیقی کو ۲۷ فروری ۱۹۴۸ء کو ایک ملی۔ (ب) سبق "خطوٹ رشید احمد صدیقی" کا متن مدد نظر کہ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) رشید احمد صدیقی نے خطوط کس شہر سے بھجوائے؟

- | | | |
|---------|------|-------|
| علی گڑھ | (ii) | ڈلی |
| لکھوڑ | (iv) | لاہور |

(ب) رشید احمد صدیقی نے اپنے خط میں کس کے گراں بارا حسناں کا شکر یہ ادا کیا؟

- | | | | |
|--------------------|---------------------|-----------------------|---------------------|
| (i) مولانا ضا احمد | (ii) ڈاکٹر محمد حسن | (iii) ظہیر احمد صدیقی | (iv) سید بشیر الدین |
|--------------------|---------------------|-----------------------|---------------------|

(ج) رشید احمد صدیقی نے خط میں کس کے ساتھ رحلت کا ذکر کیا ہے؟

- | | |
|----------------------|-------|
| مولا ناضيا احمد | (i) |
| برادر سید بشیر الدین | (iii) |
| نیگم ڈاکٹر محمد حسن | (ii) |
| نیگم سید بشیر الدین | (iv) |

- (d) مکتبہ نگارنے اپنے خطہ بنا مڈاکٹر محمد حسن میں کس خوشخبری کا ذکر کیا ہے؟
- غالب ایوارڈ ملنے کی
 - تصنیف پر نقد قلم ملنے کی
 - محکمانہ ترقی کی
 - سماحتیہ اکادمی کی طرف سے ملنے والے اعزاز کی
- (e) خطہ بنا پروفیسر شیر الدین میں کن لوگوں کی احترام کرنے کی صلاحیت سے محروم کا ذکر کیا ہے؟
- علم و عمل سے خالی
 - احترام کے مفہوم سے نابلد
 - علی گڑھ کی ناقدری کرنے والے
 - مادیت پسند
- (f) ”بہت کچھ اور لکھنا چاہتا تھا لیکن تحکم گیا“ صدیقی صاحب نے یہ جملہ کس کے نام لکھا؟
- ظہیر احمد صدیقی
 - سید شیر الدین
 - ڈاکٹر محمد حسن
 - مولانا ضیاء احمد
- درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:
- استعداد، کرشمہ، اسلاف، متنوع، اشغال، مہتمم، طفیل، سعادت، معلمات
- ۵۔ کالم (الف) کے اندر اجاجات کو کالم (ب) سے ملائیں:

کالم (ب)	کالم (الف)
علی گڑھ یونیورسٹی	تعزیت نامہ
مشترک مکتبوں	تہجوم میں
بیان ظہیر احمد صدیقی	رشید احمد صدیقی
تیراخٹ	ابتدائی تعلیم و تربیت
احساسِ تہائی	۳ نومبر ۱۹۷۳ء

۶۔ درج ذیل الفاظ کے متفاہی کیسے:

اسلاف، نیک نام، سخاوت، اعتراض، آباد، شیب

اردو زبان اور مختلف اندیزیاں:

معاشرے میں ہمیں بے شمار لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی سوچ، سمجھ، علم اور تجربے کی روشنی میں گفتگو کرتا ہے۔ گویا ایک ہی بات کے اندازیاں مختلف ہو سکتے ہیں۔ آپ کرنے میں بیٹھے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کہڑی بند کروی

جائے۔ دیگر لوگ بھی موجود ہیں۔ کھڑکی کے قریب بیٹھے نوجوان سے لوگ کیا کہیں گے؟

ایک بزرگ: برخوردار! اور اکھڑ کی تو بند کر دیں۔

نوجوان: پلیز کھڑ کی بند کر دیجیے۔

ایک اور: کھڑ کی بند کرو۔

ایک اور نوجوان: اگر حمت نہ ہو تو یہ کھڑ کی بند کر دیں، بھنڈی ہوا آرہی ہے۔

اس کے علاوہ بھی ہم کئی اور انداز میں زبان لکھتے اور بولتے ہیں، مثلاً:

(الف) گاڑی تیز چلانے کی بنا پر آپ کا کوڈ گیارہ کے تخت چالان کیا جاتا ہے۔

(ب) آپ کا تابا دل زیر چھپی نمبر ۲۱۲/۱ ای تاریخ ۲۳۔ ۲۰۱۳ء میں کردیا گیا تھا۔

(ج) کرکٹ ٹیم ۲۳۳ رنز بنا کر آٹھ ہو گئی۔ سیریز جیتنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔

(د) کمپیوٹر کے سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر کا فرق معلوم ہونا چاہیے۔

آپ نے دیکھا کہ اخباری، دفتری، قانونی اور تکنیکی زبان کافی حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ہمارا ہر جملہ اپنے لب دلجنہ، اسلوب اور لفظوں کے انتخاب کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ مضمون، کہانی، خط اور درخواست لکھنے کے انداز بھی مختلف ہوتے ہیں۔

آپ مختلف جملے بول کر یا لکھ کر بتائیں کہ، یہ کون سا انداز ہیاں ہے؟

سرگرمیاں

۱۔ رشید احمد صدیقی کے دو تین اور خطوط جماعت کے کمرے میں نائے جائیں۔

۲۔ رشید احمد صدیقی کے خطوط میں ملی گڑھ کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسے اپنے لفظوں میں پیر اگراف کی صورت میں لکھیں۔

۳۔ اپنے استاد صاحب سے پوچھ کر رشید احمد صدیقی کی نشرنگاری کی دو خاص خوبیاں لکھیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

۱۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ کسی شخص کے خطوط اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی کس طرح عکاسی کرتے ہیں؟

۲۔ رشید احمد صدیقی کے کسی مجموعے سے ان کے دو تین خطوط پڑھ کر طلبہ کو نائے جائیں اور ان پر تبصرہ بھی کیا جائے۔

۳۔ طلبہ کو خطوط نویسی کی مشق کرائی جائے۔



میر انیس

(۱۸۰۰ء۔ ۱۸۷۳ء)

میر انیس کا اصل نام سید ہبیلی تخلص انیس تھا۔ آپ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی اپنے والد میر خلیق سے پڑھی۔ دیگر روزیہ علوم فیض آباد کے ایک عالم میر مجذوب علی سے حاصل کیے۔ حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ شہسواری اور سپہ گری کے فن بھی سیکھے۔ میر انیس موزوں طبع تھے۔ ان کے خاندان کے اکثر لوگ شعر کہتے تھے۔ فیض آباد کے جس ماحول میں میر انیس پروان چڑھے، اس میں ہر طرف شاعری کا چرچا تھا۔ اس ادبی فضائے میر انیس کے طبعی رہجان کو جلا بخشی اور وہ بچپن ہی سے شعر کہنے لگے۔ کبھی کبھی والد کے ساتھ لکھنؤ کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ اس کے بعد لکھنؤ آگئے۔

میر انیس ایک بلند پایہ مرثیہ نگار تھے۔ ان کے مراثی میں سوز و گداز، کردار نگاری، جذبات نگاری اور منظرگشی کے بے مثال نمونے ملتے ہیں، جو ان کی قادر الکلامی کی دلیل ہیں۔ انہوں نے واقعات و جذبات کے نہایت خوب صورت مرثیے پیش کیے ہیں۔ مرثیہ پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ سماں باندھ دیتے تھے۔ اردو کے معروف محقق حافظ محمود شیرانی کے بقول: ”وہ افکیم مرثیہ گوئی کے شہنشاہ تھے۔“ میر صاحب بہت پڑھ گوئی تھے۔ انہوں نے متعدد مرثیے لکھا ہے اور کوئی مرثیہ ڈیڑھ سو، دو سو بندے کے کم کا نہ ہوا، لیکن باوجود پڑھ گوئی کے، ان کے کلام میں کہیں ابتدال یا عامینا نہ پن نہیں آنے پایا۔

یہ لفظ ان کے ایک طویل مرثیے کا حصہ ہے، جو ان کے تخلیل، منظر نگاری اور لفظی تصویر کاری کی عمدہ مثال ہے۔

ان کے گچھ مراثی انتخاب مراثی انیس کے نام سے مجلسِ ترقی ادب لاہور سے اور انیس کے مرثیے (دو جلدیں، مترجم: صالح عبدالحسین)، رباعیات انیس اور انیس کے سلام نای کتب بھارت سے شائع ہو چکی ہیں۔

میداں کر بلا میں گرمی کی شدّت

مدرسی مقاصد

- ۱۔ میرانیس کے مقام و مرتبے اور شاعری کی صحف مرثیہ کا تعارف کرنا۔
- ۲۔ میداں کر بلا میں گرمی کی شدّت اور جغرافیائی صورت حال سے طلبہ کو آگاہ کرنا۔
- ۳۔ میرانیس کی قادر الکلامی سے طلبہ و طالبات کو آگاہ کرنا۔
- ۴۔ مدرس کی بیت سے متعارف کرنا۔
- ۵۔ نظم میں منظر نگاری کے عضروں سے آگاہ کرنا۔
- ۶۔ واقعہ کر بلا، اسلامی تاریخ کا نہایت دردناک اور اہم ترین واقعہ ہے۔ طلبہ کو واقعہ کر بلا کے حقائق اور خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت سے آگاہ کرنا۔
- ۷۔ طلبہ کو استعارہ اور مجازِ مرسل سے آگاہ کرنا۔

گرمی کا روزِ جنگ کی ، کیوں کر کروں بیان
ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زیاد
وہ لو کہ الخدر ، وہ حرارت کہ الامان
رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسمان

آبِ نہج کو غلقِ ترسی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برسی تھی خاک پر

وہ لو ، وہ آفتاب کی جدت ، وہ تاب و تب
کالا تھا رینگ دھوپ سے دن کا مثالی شب
خود نہر علقہ کے بھی نوکھے ہوئے تھے لب
خیسے جو تھے خبایوں کے ، پتے تھے سب کے سب

اڑتی تھی خاک ، نہج تھا چشمہ حیات کا
گھولہ ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چارپائے نہ اٹھتے تھے تا بہ شام
مکن میں مجھیلوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاپلے تھے تو چیتے سیاہ فام
بخت پکھل کے رہ گئے تھے مثلِ موسمِ خام

سرخی اڑی تھی پھولوں سے ، سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں آڑتا تھا سائے کی چاہ سے

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے ، نہ برگ و بار
ایک ایک محل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہستا تھا کوئی گل نہ لہتا تھا سبزہ زار
کائناتِ ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ بار دار

گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرہ مدقوق زرد تھے

شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچمار سے
آہو نہ منہ نکلتے تھے سبزہ زار سے
آنینہ مہر کا تھا ملکدار غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے

گرمی سے مُضطرب تھا زمانہ زمین پر
نہن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا فعلہِ ہوالہ کا گماں
آنکارے تھے جباب تو پانی شر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تھے پر تھے سب نہنگ ، گر تھی بیوں پہ جاں

پانی تھا آگ ، گرمی روزِ حساب تھی
ماہی جو سیح موج تک آئی ، کتاب تھی

(کلیاتِ میر انیس)

مشت

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کیجیے:

- (الف) میرانیس نے پہلے بند میں زبان کو کس چیز سے تشبیہ دی ہے؟

(ب) دوسرے بند میں نہر کے ”لب“ سے کیا مراد ہے؟

(ج) شاعر کے بیان کے مطابق دریاۓ فرات کے پانی پر دھوپ

(د) شاعری میں میرانیس کی وجہ شہرت کیا ہے؟

(۶) بیت کے اعتبار سے اس نظم (میدان کر بلائیں گرمی کی ہدایت) کو کیا کہیں گے؟

- نظم "میدان کر بala میں گرمی کی شدت" کا متن مذکور رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:
 (اف) "میدان کر بala میں گرمی کی شدت" کس شاعر کی تخلیق ہے؟

- (i) میرزا دبیر میرانش (ii)

- مولوی میر حسن (iii) میر خلیق (iv)

(ب) نظم "میدان کر بلایں گرمی کی شدت" صنفِ خن کے لحاظ سے کیا ہے؟

- مرشیہ (iv) شہر آشوب (iii)

(ج) شاعر گرمی کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے نہ لرزائیں ہے کہ:

- (i) زبان مثل شیخ نہ جل اٹھے (ii) خود اس شدت کا شکار نہ ہو جائے

- (iv) مالغزیہ ہو جائے (iii) بیان سے قاصر ہے

(د) رن کی زمیں سرخ تھی اور آسمان تھا:

- بُلْ (ii) بُزْ (i)

- سرخ (iv) زرد (iii)

(۵) زمینِ خلقِ خدا کس چنگ کو ترس رہی تھی؟

- (i) مانی کو آب خنک کو (ii)

- پختہ کی ہوا کو (iii) بادل کے سا- (iv)

(و) دن کے مثال شہ ساہ ہونے کی وجہ کہا تھی؟

- (i) آفتاب کا حدت (ii) دھوک

- ك (iv) تمشي (iii)

(ز) نہنگوں پر گرمی کا کیا اثر تھا؟

- (i) پسینے چھوٹ رہے تھے
- (ii) بے ہوش تھے
- (iii) جان بیوں پر تھی
- (iv) ہانپ رہے تھے

۳۔ "میداں کر بلا میں گرمی کی شدت" میں جانداروں کا ذکر آیا ہے، ان کے ناموں کی فہرست تیار کیجیے۔

۴۔ درج ذیل الفاظ کے مترادف لکھیے:

آفتاب، مسکن، شجر، آہو، گرداب، ماہی

۵۔ لطم کے آخری بند کی تشریع کیجیے۔

۶۔ تو سین میں دیے گئے الفاظ سے درست لفظ کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کیجیے:

- | | |
|--|--------------------------------|
| (الف) پتھر پکھل کر (راکھ، خاک، مووم) | ہو گئے تھے۔ |
| (ب) مُسدس کا ہر بند (دو، تین، چھتے) | مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ |
| (ج) گرمی کی شدت سے پتوں کا رنگ (زرد، سیاہ، سرخ) | ہو گیا۔ |
| (د) شاعر نے درخت کے جلن کو (کونٹے، لکڑی، چنار) | سے تشییدی ہے۔ |
| (ه) سے سورج کا چہرہ دھنڈلا گیا تھا۔ (غبار، بخار، گرمی) | |

۷۔ مندرجہ ذیل الفاظ اور تراکیب کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:
مثیل شمع، الاماں، تاب و تب، چشمہ حیات، برگ و بار، مدقوق، مضطرب، شرفشاں، مکله، سرگرمیاں

استعارہ:

استعارہ کے لفظی معنی ادھار لینا کے ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح میں جب ہم کسی چیز کے معنی مستعار لے کر دوسرا چیز کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ جیسے:

ماں نے کہا "میرا چاند سکول سے آگیا ہے۔"

باپ نے کہا "میرا بیٹا رسم ہے۔"

کس شیر کی آمد ہے کہ زن کا نپ رہا ہے۔

ان جملوں میں نپ کو چاند، بیٹے کو رسم اور بہادر انسان کو شیر کہا گیا ہے یعنی چاند، رسم اور شیر کے الفاظ مستعار لے کر نپ، بیٹے اور بہادر انسان کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔

ارکانِ استعارہ:

- ۱۔ مستعارہ: جس کے لیے لفظ مستعار لیا جائے۔ اور کی مثالوں میں بچہ، بیٹا اور بھادر انسان (شاعر کا اشارہ حضرت عباس بن علیؑ کی طرف ہے) مستعارہ ہیں۔
- ۲۔ مستعار منہ: جس سے لفظ ادھار لیا جائے۔ یہاں چاند، رسم اور شیر مستعار منہ ہیں۔
- ۳۔ وجہ جامع: مستعارہ اور مستعار منہ کے مابین مشترک صفت کو وجہ جامع کہا جاتا ہے۔ اور کی مثالوں میں خوب صورتی اور بھادری وجہ جامع ہیں۔ مستعارہ اور مستعار منہ میں تشبیہ کا تعلق ہوتا ہے۔
استعارے میں مستعارہ حقیقی نہیں، بلکہ مجازی معنی دیتا ہے۔
آپ کسی ایک نظم سے استعارے ٹلاش کر کے لکھیے۔

مجازِ مرسل:

اگر کسی لفظ کو حقیقی کی بجائے مجازی (غیر حقیقی) معنوں میں استعمال کیا جائے اور دونوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو وہ مجازِ مرسل کہلاتا ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں:

(الف) انسان کی زندگی چار دن کی ہے۔

اس میں جزو بول کر گل مرادی گئی ہے۔

(ب) حکیم صاحب نے بپس پر ہاتھ رکھ کر مرض کی تشخیص کر دی۔

یہاں گل بول کر بجود مرادی گئی ہے۔ (بپس پر ہاتھ نہیں، تین انگلیاں رکھی جاتی ہیں)

(ج) برسے گا آج خوب و ہواں دھارا بہے۔

یہاں سبب (ابر) بول کر متبہ (پانی) مرادیا گیا ہے۔

(د) مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں

یہاں آله (زبان) بول کر وہ چیز (بولی) مرادی گئی ہے جس کے لیے یہ آله بنایا گیا ہے۔

اس نظم میں سے تشبیہ، استعارہ اور مجازِ مرسل الگ کر کے لکھیں۔

درج ذیل الفاظ کے مفہومات کیسے:

روز، آفتاب، کائنات، حیات، سیاہ، سبزہ زار، شرفشاں

۱۰۔ نظم کو غور سے پڑھیں اور ہر بند کے قافيةٰ لکھیں:

- (الف) بیان زبان الامان آسمان
.....
(ب) تب
(ج) شام
(د) بار
(ه) گماں

سرگرمیاں

- ۱۔ میر انیس کی نظم کی خوبیاں کاپی میں نوٹ کریں۔
۲۔ اس نظم کی روشنی میں گرمی کی شدت پر مختصر مضمون لکھ کر استاد صاحب کو دکھائیں۔
۳۔ میر انیس نے جو تیشہات استعمال کی ہیں، ان کی فہرست تیار کریں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ مرشیہ نگاری کا مختصر تعارف کرتے ہوئے طلبہ کو بتایا جائے کہ اس کی ابتداء عربوں نے کی۔
۲۔ طلبہ پر واضح کیا جائے کہ میر انیس کے ہاں مبالغہ آرائی موجود ہے۔
۳۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ مسدس نظم میں ہر بند چھتے مصروعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔
۴۔ مولانا حائلی کی مسدس سے ایک بند پڑھ کر طلبہ کو سنا یا جائے۔
۵۔ مرشیہ کی وضاحت کرتے ہوئے مختصر اقتداء کا ذکر کر کے فرق واضح کیا جائے۔
۶۔ طلبہ کو میر انیس ہی کا ایک مرشیہ "میدان کر بلائیں صحیح کا مظہر" بھی پڑھ کر سنایا جائے۔

علامہ محمد اقبال

(۹ نومبر ۱۸۷۷ء۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء)

علامہ محمد اقبال سیاکلوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ انٹر سکالچ مشن کالج سے کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور ایم اے کیا۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں کچھ عرصہ ملازمت کرنے کے بعد انگلستان چلے گئے۔ لندن سے باریٹ لارکرنے کے بعد جرمنی سے پی ایچ ڈی کی۔ واپس آ کر وکالت کرتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں فوت ہوئے۔ لاہور میں شاہی مسجد کے باہر آسودہ خاک ہیں۔ علامہ محمد اقبال ہمارے قومی اور ملیٰ رہنماء ہیں۔ اردو اور فارسی زبان کے عظیم شاعر ہونے کے علاوہ ایک مفکر اور قلمی کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں۔ وہ بیسویں صدی میں اسلامی نشانہ ٹانیے کے ایک بڑے علم بردار تھے۔ انھوں نے اپنے فکر و فن سے مشرق و مغرب کے ادیبوں، شاعروں اور عام لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ ان کی نظم و نثر کے تراجم تیس زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ اردو اور فارسی کلام کے علاوہ ان کا نشری سرمایہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

اقبال کی تصانیف میں علم الاقتصاد، مکاتیبِ اقبال، انوارِ اقبال، خطباتِ اقبال، فارسی شعری مجموعے اسرار و رموز، پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق، اور اردو مجموعہ ہائے کلام میں بانگ درا، بائی جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغان حجاز (اس میں فارسی کلام بھی شامل ہے) متعدد مرتبہ شائع ہو چکے ہیں۔ اقبال کے خطوط کے مختلف مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ان میں کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جو بھارت سے پانچ جلدیوں میں شائع ہوئی ہے، زیادہ اہم ہے۔

فاطمہ بنت عبد اللہ

(عرب لوکی جو طرالبس کی جنگ میں عازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی)

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ کو اقبال کی شاعری کے فنی محسن اور عظمت سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ میں جذبہ حب الوطنی پیدا کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو ایک مثالی مسلمان لڑکی کے کردار سے آگاہ کرنا۔

ذڑہ ذڑہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے
غازیاں دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
ہے جارت آفریں شوق شہادت کس قدر!
اسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!
بجلیاں بر سے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں!
نغمہ غشت بھی اپنے نالہ ماتم میں ہے
ذڑہ ذڑہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں
دیدہ انساں سے ناحرم ہے جن کی موج نور
اور تیرے کو کب تقدیر کا پرو بھی ہے
(کلیات اقبال اردو)

فاطمہ تو آبروئے امت مرحوم ہے
یہ سعادت خور صحرائی! تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تنق و پر!
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
اپنے صمرا میں بہت آہوں بھی پوشیدہ ہیں
فاطمہ گوشتم انشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے!
ہے کوئی، ہنگامہ تیری تربیت خاموش میں
تازہ الحجم کا فضائے آسمان میں ہے ظہور
جن کی تابانی میں انداز گھمن بھی، تو بھی ہے

مشق

- ۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب لکھیے:
(الف) ”بر سے ہوئے بادل“ سے کون مراد ہے؟
(ب) شاعر ناظم کے پہلے شعر میں مرحومہ کو کیسے خراج چھین پیش کیا ہے؟

- (ج) فاطمہ کو ”راکھ میں دبی ہوئی چکاری“ کیوں کہا گیا ہے؟
 (د) نظم میں ”تازہ انجمن کے ظہور“ کا مفہوم واضح کریں۔
 (ه) آنکھ کی ششم افسانی سے کیا مراد ہے؟
 لطمہ کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۲۔

- متن کو ذہن میں رکھ کر درست جواب پر شان (۷) لگائیے:
 (الف) نظم ”فاطمہ بنت عبد اللہ“ کس شاعر کی تخلیق ہے؟

۳۔

- (i) علامہ محمد اقبال (ii) حفیظ جالندھری (iii) ظفر علی خاں (iv) احسان دانش
 (ب) یہ نظم کس مجموعہ کلام سے لی گئی ہے؟
 (i) بانگ درا (ii) بالی جریل (iii) ضرب کلیم (iv) ارمغان حجاز
 (ج) فاطمہ بوقت شہادت کس فرض کی ادائیگی میں مصروف تھی؟
 (i) پانی پلانے میں (ii) مرہم پٹی کرنے میں (iii) مریضوں کی دیکھ بھال کرنے میں (iv) نماز پڑھنے میں
 (د) شاعر نے فاطمہ کو خور کہا ہے:
 (i) صحرائی (ii) ارضی (iii) آسمانی (iv) جنت
 (ه) ”پنی خاکستر“ سے شاعر کیا مراد ہے؟

۴۔

- (i) سر زمین طرابلس (ii) سر زمین پاک و ہند (iii) امت مسلمہ (iv) سر زمین سیالکوٹ
 درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں:
 سقائی، خاکستر، نشاط، جہارت، ذرہ، تربت، پر
 دیدہ انسان سے شاعر کی مراد کیا ہے؟
 نظم کا متن ذہن میں رکھ کر مصرعے مکمل کریں:

۵۔

- (الف) ذرہ ذرہ تیری _____ خاک کا معصوم ہے
 (ب) یہ جہاد اللہ کے رستے میں ہے _____ و پر
 (ج) ہے جہارت آفریں شوق شہادت _____!
 (د) رقص تیری خاک کا کتنا _____ ہے
 (ه) دیدہ انسان سے ناجرم ہے جن کی _____

۷۔ درج ذیل مرکبات کا مختصر مفہوم لکھیں:
 مشت خاک، بے تنخ پر، شبم افشاں، نغمہ عشرت، نالہ ماتم، دیدہ انساں
 متن کوڈہن میں رکھ کر کالم (الف) کا ربط کالم (ب) کے الفاظ سے کریں: ۸

کالم (ب)	کالم (الف)
خراب	تنخ
خاموش	خور
پسر	گلتان
صحراً	فضا
شہادت	ثربت
آسمان	شوق

سرگرمیاں

- ۱۔ بانگ درا میں ”بلال“ کے عنوان سے دو نظمیں ہیں، ان کا مطالعہ کیا جائے۔
- ۲۔ چند طلباءں نظم کوں کر خوش الخانی سے پڑھیں۔
- ۳۔ نظم پڑھنے کے بعد اپنے تاثرات کا پیوں پر قلم بند کریں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کو علامہ محمد اقبال کی طویل نظمیوں ”شکوہ“ اور ”جواب شکوہ“ کے بارے میں بتائیں۔
- ۲۔ طلبہ پر ملت اور قوم کا فرق واضح کریں۔
- ۳۔ کسی خوش آواز طالب علم سے ”خودی کا بزر نہیں.....“ پڑھائیں۔
- ۴۔ طلبہ کو خلافت عثمانی، جگ طرابلس اور جگ بلقان کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔



جوش ملیح آبادی

(۱۹۸۲ء-۱۹۸۴ء)

جوش ملیح آبادی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ پورا نام شیر حسن خاں اور جوش ملیح تخلص تھا۔ قلمی نام جوش ملیح آبادی اختیار کیا۔ ان کے خاندان میں علم و ادب کی روایت موجود تھی۔ ان کے دادا بھی شاعر تھے۔ جوش نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ ان کا گھر انا، مالی طور پر آئُودہ تھا۔ سینٹ پیٹرک کالج آگرہ اور علی گڑھ کالج میں زیر تعلیم رہے، مگر سینٹ پیٹرک کی برج سے آگے نہ بڑھ سکے۔

اوائل میں رابندر ناتھ ٹیگور سے متاثر تھے، اس لیے ان کی شاعری میں ٹیگور کے اثرات ملتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں حیدر آباد کن جا کر عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ سے وابستہ ہوئے اور تقریباً تیرہ سال تک وہاں ملازمت کی۔ بعد ازاں متعدد ادبی رسالوں کے مدیر رہے۔ جوش نے فلموں کے لیے گیت بھی لکھے۔ ۱۹۵۶ء میں پاکستان آگئے اور ترقی اردو یورڈ کراچی سے مسلک ہوئے۔ عمر کا آخری زمانہ اسلام آباد میں گزارا۔

جوش زبان و بیان پر ماہر اند مدرس رکھتے تھے۔ الفاظ کے دروبت پر انھیں تدریت حاصل تھی۔ رومانوی شاعری ان کا امتیاز ہے۔ انھیں ”شاعرِ انقلاب“ بھی کہا جاتا ہے۔ اردو کی مقبول ترین صعفی خن غزل سے ان کی دل چھپی نہ تھی، بلکہ ان کا شمار غزل کے خالقین میں ہوتا ہے۔ وہ نظم کے شاعر تھے۔

ان کا پہلا مجموعہ کلام روح ادب ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔ ویگر مجموعوں میں شعلہ و شبنم، حرف و حکایت، سنبل و سلاسل، جذبات فطرت، سرود و خروش، شاعر کی راتیں وغیرہ شامل ہیں۔ جوش کی خود نوشت یادوں کی برات ان کے مخصوص اسلوب نشر کا نمونہ ہے۔

کسان

تدریسی مقاصد

- ۱۔ کسان کی محنت کی تحسین کرنا۔
- ۲۔ نظم کے ذریعے سے طلبہ میں حب الوطنی اور محنت کا جذب پیدا کرنا۔
- ۳۔ نظم کے آہنگ سے لطف اندوز ہونا۔
- ۴۔ طلبہ کو دینی اور ملکی معیشت میں کسان کی اہمیت کا احساس دلانا۔
- ۵۔ جوش ملبح آبادی کی نظم نگاری کے اسلوب اور شکوه لفظی سے متعارف کرانا۔

بحث پڑھ کا نرم رو دریا ، فرقہ کا اخیراب
 کھیتیاں ، میدان ، خاموشی ، غروب آفتاب
 یہ سماں اور اک توی انسان ، یعنی کاشت کار
 اور قتا کا پیشا ، تہذیب کا پروردگار
 جلوہ قدرت کا شاہد ، خشن فطرت کا گواہ
 ماہ کا دل ، مہر عالم تاب کا نور نگاہ
 لمب کھاتا ہے رنگ خاشک میں جس کا لہو
 جس کے دل کی آنچ بن جاتی ہے سیل رنگ و نوچ
 دوڑتی ہے رات کو جس کی نظر افلک پر
 دن کو جس کی اکلیاں رہتی ہیں بھن خاک پر
 سر بیکوں رہتی ہیں جس سے قوتیں تجربہ کی
 جس کے بوئے پر لجکتی ہے کمر تہذیب کی

جس کے بازو کی صلابت پر نزاکت کا مار
جس کے گس بل پر اکٹتا ہے غرور شہر یار
دھوپ کے تھلے ہوئے رخ پر منقت کے نشاں
کھیت سے پھیرے ہوئے منھ، گھر کی جانب ہے روائیں

(شعلہ و شبینم)



مش

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب لکھیے:

(الف) نظم کے دوسرے شعر میں شاعر نے کن الفاظ میں کسان کی تحسین کی ہے؟

(ب) ”جلوہ قدرت کا شاہد“ سے کون مراد ہے؟

(ج) بعض خاک پر انگلیاں رہنے کا کیا مطلب ہے؟

(د) شاعر نے کسان کے گھروٹنے کی جو قصویر کشی کی ہے، اسے دو سطروں میں لکھی۔

(۵) شاعرنے کے ارتقا کا پیشواؤ کہا ہے؟

(و) کون سی قوتیں کسان سے سرگوں رہتی ہیں؟

(ز) کھیت سے منہ پھیر کر کسان کہاں جاتا ہے؟

(ج) نظم کے آخری شعر میں شاعر نے کن پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے؟

نظم "کسان" کا متن مد نظر رکھ کر درست جواب پر نشان (۷) لگائیں:

(الف) نظم کا ابتدائی منظر ہے:

مُھٹ سے کا (iii) رات کا (iv)

(ب) کسان کی انگلیاں دن کے وقت رہتی ہیں

ہل کی ہتھیار (i) مچے کی نئے پر (ii)

(iii) خاک کی بعض سر بانسری پر (iv)

(ج) کسان قدرت کے جلوے کا ہے:

- | | | | |
|--|---------------|-----------------|------|
| (i) | بناض | گواہ | (ii) |
| (iii) | مذاح | شہد | (iv) |
| (د) کسان کھیت سے رخ پھیر کر کہاں جاتا ہے؟ | | | |
| (i) | گھر میں | دیرانے میں | (ii) |
| (iii) | منڈیر کی طرف | گاؤں میں | (iv) |
| (ه) نظم "کسان" کس شاعر کی تخلیق ہے؟ | | | |
| (i) | جوش طبع آبادی | جمیل الدین عالی | (ii) |
| (iii) | میرانش | دلاور فنگار | (iv) |
| (و) یہ نظم جوش کے کس مجموعہ کلام سے لی گئی ہے؟ | | | |
| (i) | حروف و حکایت | شعلہ و شبہم | (ii) |
| (iii) | جذبات و نظرت | سنبل و سلاسل | (iv) |
| (ز) شاعر نے تہذیب کا پروار دگار کے کہا ہے؟ | | | |
| (i) | علم | مزدور | (ii) |
| (iii) | کسان | معلم | (iv) |

۳۔ نظم "کسان" کا متن ذہن میں رکھ کر، درست الفاظ کے ذریعے سے مصرعے مکمل کریں:

- (الف) جلوہ قدرت کا حسن نظرت کا گواہ
 (ب) دن کو جس کی انگلیاں رہتی ہیں بھیں پر
 (ج) جس کے بوتے پر لجتی ہے کمر کی
 (د) جس کے کس بل پر اکٹتا ہے شہریار
 (ه) دھوپ کے جعلے ہوئے پر مشتمل کے نشان

۴۔ جوش نے کسان کی جو صفات بیان کی ہیں، ان کی فہرست بنائیے۔

۵۔ درج ذیل فہرست میں سے مذکور موئٹ اگ اگ کیجیے:

نظم، شفق، میدان، سماں، فاتح، نیم، نظرت، تہذیب، دھوپ، فلک

- ۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
محنت پنا، اضطراب، ارتقا، سرنگوں، تخریب، مشقت
- ۷۔ درج ذیل الفاظ کے جزوؤں میں صوتی مشابہت ہے، لیکن ہر جوڑے کے لفظ الگ الگ معنی رکھتے ہیں۔ ہر لفظ کے الگ معانی کیمیں:
اُلم، عَلَم۔ بعض، باز۔ پارہ، پارا۔ روزہ، روپ۔ قاش، کاش

سرگرمیاں

- ۱۔ جوش کی ایک اور مختصری نظم ڈھونڈ کر پڑھیں اور کاپی پر نوٹ کریں۔
- ۲۔ ”کسان کی مشقت بھری زندگی“ کے عنوان سے طلبہ میں مضمون فویسی کا مقابلہ کرایا جائے۔
- ۳۔ طلبہ درست آہنگ میں یہ نظم پڑھیں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ نظم کے حوالے سے طلبہ پر محنت کی اہمیت واضح کی جائے۔ حدیث شریف
(الکاسب حمیب اللہ) کا حوالہ دیا جائے۔
- ۲۔ کسان کے موضوع پر کسی اور شاعر کی نظم طلبہ کو بنائی جائے یا مزدور کے موضوع
پر احسان دانش یا کسی اور شاعر کی نظم بنا کر محنت کی عظمت واضح کی جائے۔
- ۳۔ جوش کی نظم گوئی کی خوبیوں اور آہنگ سے طلبہ کو متعارف کرایا جائے۔
- ۴۔ طلبہ پر واضح کیا جائے کہ حالات اور وقت کے ساتھ جو معاشرتی تبدیلیاں آتی
ہیں، ان سے شہر اور دیہات دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ اب مشینی کاشت کاری
بڑھ گئی ہے لیکن دور دراز کے دیہات میں اب بھی ایسی تصوریں مل جاتی ہیں۔
- ۵۔ طلبہ سے نظم ترمیم سے اور تختہ لفظ پر حوالی جائے۔

جمیل الدین عالی

(۲۰ جنوری ۱۹۶۷ء - ۲۳ نومبر ۲۰۱۵ء)

جمیل الدین عالی دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ ریاست لوہارو کے نواب علاء الدین عالی کے پوتے ہیں۔ (علائی مرزا غالب کے دوست اور شاگرد تھے) ۱۹۵۱ء میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے بول سروں میں شامل ہو گئے۔ صدر پاکستان محمد ایوب خاں کے افسر بکارِ خاص بھی رہے۔ پاکستان رائٹرز گلڈ کا قیام انہی کی کاوشوں سے عمل میں آیا۔ ۱۹۶۷ء سے روزنامہ جنگ سے بطور کالم نگار وابستہ ہیں۔ متعدد ادبی اعزازات حاصل کرچکے ہیں۔

جمیل الدین عالی کا شمار بسیار زیس ادیپس میں ہوتا ہے۔ انہوں نے سفر نامے، غزلیں، دو ہے، گیت اور ملی نغمے لکھے۔ ان کے ملی نغمے مختلف نسبات کا حصہ رہے ہیں۔

ان کی معروف تصانیف میں غزلیں، دو ہے، گیت، جیویے جیویے پاکستان، دنیا میں آگئے، تماشا میں آگئے، صدا کر چلے اور دعا کر چلے شامل ہیں۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۷ء کی پاک بھارت جنگوں میں ان کے ملی ترانوں کو خاصی شہرت ملی۔ یہ ملی نغمہ بھی انہی مقبول عام ترانوں میں شامل ہے۔

جیوے جیوے پاکستان

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ میں وطن سے محبت کے جذبے کو تحریک دینا۔
- ۲۔ ترانے کے ذریعے سے طلبہ میں جوش و جذبہ پیدا کرنا۔
- ۳۔ جمیل الدین عالیٰ کے فن، قوی نغموں اور ملیٰ ترانوں سے طلبہ کو واقفیت دلانا۔
- ۴۔ طلبہ کو قومی نشے کے مفہوم سے واقفیت دلانا اور ان کی اہمیت واضح کرنا۔

جیوے جیوے --- جیوے پاکستان
 پاکستان پاکستان --- جیوے پاکستان
 مہکی مہکی روشن روشن پیاری پیاری نیاری
 رنگ برلنگے پھولوں سے اک بھی ہوئی چلوواری
 پاکستان پاکستان --- جیوے پاکستان
 من پچھی جب پکھے ہلائے کیا کیا سر بکھرائے
 سننے والے سین تو ان میں ایک ہی ڈھن لہرائے
 پاکستان پاکستان --- جیوے پاکستان
 بکھرے ہوؤں کو بکھرے ہوؤں کو اک مرکز پر لایا
 کتنے ستاروں کے خمرست میں سورج بن کر آیا
 پاکستان پاکستان --- جیوے پاکستان
 سب محنت کش گلے ملے اور اُبھرا اک پیغام
 اس پیغام کو سمجھو یہ ہے قدرت کا انعام
 پاکستان پاکستان --- جیوے پاکستان

جمیل گئے دکھ جھیلنے والے، اب ہے کام ہمارا
ایک رہیں گے، ایک رہے گا، ایک ہے نام ہمارا

پاکستان پاکستان --- جیوے پاکستان
جیوے جیوے --- جیوے پاکستان
پاکستان پاکستان --- جیوے پاکستان

(جیوے جیوے پاکستان)



مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے جواب لکھیے:

(الف) اس نفحے کے پہلے بند میں نیاری، بچلواری قافیے ہیں۔ اس نظم کے بقیہ قوافی ترتیب سے لکھیں۔

(ب) جمیل گئے دکھ جھیلنے والے، اب ہے کام ہمارا
اس مسرعے کا مفہوم بیان کیجیے۔

۲۔ نظم ”جیوے جیوے پاکستان“ کا متن ذہن میں رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) شاعرنے پاکستان کو رنگ بر لگئے پھولوں سے سچی کہا ہے:

- | | | | |
|-------|----------|------|---------|
| (i) | ٹوکری | (ii) | بچلواری |
| (iii) | دکش سیقی | (iv) | گھری |

(ب) پاکستان نے بھڑے اور بھڑے ہوؤں کو:

- | | | | |
|-------|-------------|------|----------------------|
| (i) | تند کیا | (ii) | ایک مرکز پلاکھڑا کیا |
| (iii) | شاد کام کیا | (iv) | گھردیا |

(ج) پاکستان ستاروں کے جھرمٹ میں ہے:

- | | | | |
|-------|-------|------|------------|
| (i) | سورج | (ii) | چاند |
| (iii) | مرکزہ | (iv) | روشن ستارہ |

(۵) سب مختکش:

- | | | | |
|---|---------------------|----------------------|-------------------------|
| (i) تمدھو گئے | (ii) کام میں لگ گئے | (iii) گلے ملے | (iv) تمیر و طن پا گئے |
| (۶) جھیل گئے دھو جھینے والے سے مراد ہے: | | | |
| (i) مختکش | (ii) مزدور | (iii) کسان | (iv) پاکستان بنانے والے |
| (۷) "جو یے جیوے پاکستان" کا تخلیق کار ہے: | | | |
| (i) جمیل الدین عالیٰ | (ii) جو شیخ آبادی | (iii) حفیظ جalandھری | (iv) احسان دائش |

درج ذیل مرکبات کا مفہوم تفصیل سے لکھیے:

من پتھی، ستاروں کے جھرمٹ، اک پیغام، دھو جھینے والے

مندرج ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کے مفہوم کی وضاحت ہو جائے:

پھلواری، پتھی، دھن، جھرمٹ، پیغام، قدرت، جھیننا، مرکز

اس لفظ کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

مندرج ذیل الفاظ کے مقابلہ کیجیے:

روشن، پیاری، جیوے، بکھرے، پتھرے، ابھرا، انعام

لفظ "جو یے جیوے پاکستان" کے مطابق درست لفظ لگا کر مصروفہ مکمل کریں:

(الف) میکی میکی روشن روشن روشن، پیاری پیاری —————

(ب) من ————— جب پتھے ہلائے کیا کیا سر بکھرائے

(ج) اس پیغام کو سمجھو یہ ہے قدرت کا —————

(د) سنے والے نہیں تو ان میں ایک ہی ————— ہرائے

(ه) ایک رہیں گے، ایک رہے گا، ایک ہے ————— ہمارا

- ۱۔ طلباء ملیٰ نفعے کو زبانی یاد کریں۔
- ۲۔ چند طلباء مل کر کورس کی شکل میں یہ ملیٰ نغمہ گائیں۔
- ۳۔ جماعت میں ملیٰ نفع پڑھنے کا مقابلہ منعقد کرایا جائے۔
- ۴۔ اس نظم کو ذہن میں رکھتے ہوئے ”حُبِّ وطن“ کے موضوع پر ایک مضمون قلم بند کیجیے۔
- ۵۔ اپنا کوئی پسندیدہ ملیٰ نغمہ اپنی ڈائری میں درج کریں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ پر قومی اور ملیٰ نغموں کی اہمیت واضح کیجیے۔
- ۲۔ جیل الدین عالیٰ کی ادبی خدمات سے طلبہ کو آگاہ کیا جائے۔
- ۳۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ قومی اور ملیٰ نفعے اس لیے لکھے جاتے ہیں کہ کڑے وقت میں ان کے ذریعے سے ملک کا دفاع کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔
- ۴۔ طلبہ کو ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ریڈ یو سے نشر ہونے والے ملیٰ اور قومی نغموں کے اثرات سے آگاہ کریں۔
- ۵۔ چند اور ملیٰ نفعے مثلاً میں بھی پاکستان ہوں وغیرہ جماعت کے کمرے میں طلبہ سے کورس کی شکل میں سنے جائیں اور طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

دلاور فگار

(۱۹۹۸ء-۱۹۹۹ء)

دلاور فگار کا اصل نام دلاور حسین تھا، پہلے شباب تھا پھر فگار اختیار کیا۔ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بدایوں ہی میں حاصل کی۔ ایم اے اردو کا امتحان آگرہ یونیورسٹی سے اول بدرجہ اول پاس کیا۔ اسی یونیورسٹی سے ایم اے معاشیات کا امتحان بھی پاس کیا۔

دلاور فگار نے شاعری کا آغاز غزل سے کیا۔ معروف شاعر کلیل بدایوں کے مشورے کے بعد فکفتہ شاعری کی طرف مائل ہو گئے اور اس شعبے میں مکال حاصل کیا۔ بطور مزاحیہ شاعر انھیں بھارت میں بھی شہرت حاصل تھی۔ ۱۹۶۹ء میں بھرت کر کے کراچی منتقل ہو گئے۔ یہاں بھی واقعاتی مزاحیہ شاعری میں انھیں قبول عام ہوا۔

دلاور فگار کی حس مزاح تیز ہے۔ شعر گوئی کی بہرمندی اور طنز کا مخصوص اندازان کی شاعری کی شہرت اور مقبولیت کا بڑا سبب ہے۔

ان کے شعری مجموعوں میں حادثے (غزلیات)، ستم ظریفیاں، شامت اعمال، آداب عرض، انگلیاں فگار اپنی، از سرِ نو، مطلع عرض ہے، خدا جھوٹ نہ بلوائے اور فی سبیل اللہ اہم ہیں۔ علاوه ازیں وہ کراچی کے اخبارات نوائے وقت، جسارت اور مساوات میں مظوم کالم نگاری بھی کرتے رہے۔ ان کا تمام مزاحیہ کلام کلیاں دلاور فگار کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۹۸ء میں کراچی میں انتقال کیا۔

اونٹ کی شادی

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ کی حس مزاح کی تکمیل کا اہتمام کرنا۔
- ۲۔ اچھوتے موضوع سے مزاح کے پہلو کیسے نکالے جاتے ہیں؟ طلبہ کو اس سے روشناس کرنا۔
- ۳۔ مزاجیہ ادب میں مزاجیہ شاعری کے مفہوم و معنی اور روایت سے طلبہ کو آگاہ کرنا۔

نیا یہ آج کے پرچے نے ٹھل کھلایا ہے
کہ سہرا باندھ کے اک اونٹ پلپلایا ہے
غُر کے گھر میں پیام بھار ہے سہرا
بکھی بکھی تو بڑا بے مہار ہے سہرا
مرنے بنے کو مبارک یہ ٹوش گوار گھڑی
کہ سر کا درد بڑھا ناک میں نکیل پڑی
بکھ لیا تھا جسے جانور سواری کا
وہ اونٹ بوجھ اٹھائے گا ذمہ داری کا
میاں غُر کو مبارک یہ رفتہ شادی
ای کو کہتے ہیں اردو میں قید آزادی
میاں غُر نئی گاڑی لیے سفر کو چلے
مجھے خوشی ہے کہ تم آ گئے پہاڑ تے
مجھے بیاہ کی تصویر بیجع دیں جھٹ پٹ
یہ دیکھنا ہے کہ بیٹھے ہیں آپ کس کروٹ



(کلیاتِ دلاور فگار)

مشق

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب لکھیے:

- (الف) نظم میں شاعر نے ”نیا گل کھلانے“ کا ذکر کر کے کس طرف اشارہ کیا ہے؟

(ب) نکیل پڑنے سے شاعر کی مراد کیا ہے؟

(ج) شاعر نے سر کا درد بڑھنے کی وجہ کیا بتائی ہے؟

(و) نظم کے آخری شعر میں شاعر نے کس ضرب المثل کی طرف اشارہ کیا ہے؟

نظم ”اوٹ کی شادی“ کے متن کو نظر رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) لظم ”اونٹ کی شادی“ شاعر نے لکھی ہے:

سید محمد جعفری (ii) سید ضمیر جعفری (i)

دلاور فگار (iii) مجموعه حدی (iv)

(ب) نظم کے پہلے صریعے میں آج کے پرچے سے مراد ہے:

آج کا اخبار (i)

(FIR) پولیس کا پرچہ (iv) **امتحانی پرچہ** (iii)

(ج) کھلانا کا مطلب ہے:

(j) **پھول کھلنا**

نیمات کھنا (iii)

(و) ختنہ کے گھن میں اکھا آتا ہے؟

ہوا کا چھوڑکا (i)

سام سار (iii)

(۹) اردو میں قدم آزادی کے کہتے ہیں؟

قدیماً مُقتَضٰ (i)

حمر کا سارہ (iii)

(الف) کے سماں انہی کے اک اونٹ کے

(۱) کے کا یہ یعنی نک میں رہی

(ج) اک کو کہاں ملے

- (د) مجھے خوشی ہے کہ تم آگئے تلے
- (ه) مجھے بیاہ کی تصویر پہنچ دیں درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں:-
- بلبلانا، خوش گوار، نکیل، شتر، کروٹ
..... لطم کے قوانی ترتیب سے لکھیں۔
- ۳ درج ذیل کامفہوم واضح کیجیے:
..... گل کھلانا، بے مہار، نکیل پڑنا، قید آزادی، کسی کروٹ بیننا
- ۴ لطم کا خلاصہ تحریر کریں۔
- ۵
- ۶
- ۷

سرگرمیاں

- ۱- لاپریزی سے دل اور فنگار کی کوئی ایک کتاب لے کر مطالعہ کریں اور اپنی پسند کے اشعار اپنی کاپی میں درج کریں۔
- ۲- ہر طالب علم اپنی مرضی سے کوئی مزاحیہ تحریر یا اشعار لکھے اور ساتھیوں کو سنائے۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱- طلبہ پر مزاح اور مزاح کا فرق واضح کیجیے۔
- ۲- دل اور فنگار کے مزاح کی فنی خوبیاں طلبہ کو بتائیں۔
- ۳- طلبہ پر واضح کیا جائے کہ فطرت اور معمول نے ہمی ہوئی صورت حال ہماری ہمی کو تحریک دیتی ہے۔ یہ صورت حال مزاح کہلاتی ہے۔
- ۴- طلبہ کو بتایا جائے کہ مزاح نگار کیسے (صورت واقعہ اور الفاظ وغیرہ سے) مزاح پیدا کرتا ہے۔
- ۵- طلبہ کو بتایا جائے کہ مزاح نگاری الگ سے صعن ادب نہیں بلکہ کسی بھی صنیف میں مزاح لکھا جاسکتا ہے۔
- ۶- طلبہ کو چند دیگر مزاح نگار شعرا (سید محمد جعفری، محمود سرحدی، سید ضمیر جعفری، انور مسعود، نیاز سواتی وغیرہ) کا کلام سنایا جائے۔

مرزا محمود سرحدی

(۱۹۶۷ء-۱۹۱۳ء)

مرزا محمود سرحدی مردانہ میں پیدا ہوئے۔ اصل نام عبداللطیف تھا۔ تعلیم کا سلسلہ مردانہ میں مکتمل ہوا۔ عملی زندگی کا آغاز فوج کی ملازمت سے کیا مگر اسے غیر موزوں پا کر ملازمت چھوڑ دی۔ اس کے بعد شعبہ تعلیم سے منسلک ہو گئے اور گورنمنٹ ہائی سکول پشاور میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں علامہ مشرقی ہائی سکول پشاور کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ زندگی کے بعض مرطبوں پر انھیں کلرکی اور مزدوری بھی کرنی پڑی۔ انہوں نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ آخری عمر میں دمے کاشکار رہے۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔

محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے طنز و مزاح پر مقامی ماخول کا بہت اثر ہے۔ وہ اپنے اردو گردی کی صورت حال کی معنکی تصویریں نہایت مہارت کے ساتھ نمایاں کرتے ہیں، جن میں طنز کا عنصر نہایت گرا ہوتا ہے۔ عوامی اور معاشرتی مسائل پر ان کا قلم خوب رو وال ہوتا ہے۔ پشاور کے جریدے سنگ میل کے ذریعے سے وہ ادبی حلقوں میں متعارف ہوئے۔ ان کی زندگی میں ان کا شعری جمود سنگینی شائع ہوا۔ دوسرا جموعہ اندیشہ شہر بعد از مرگ ۱۹۷۰ء میں چھپا۔ کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی موجود ہے۔

مال گودام روڈ

مدرسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ کو محمود سرحدی کی مزاحیہ اور طنزیہ شاعری سے واقف کرانا۔
- ۲۔ محمود سرحدی کی شاعری کی شعری خوبیاں نمایاں کرنا۔
- ۳۔ طلبہ پر موجودہ معاشرے میں پائی جانے والی چند خامیاں واضح کرنا۔

یوں تو میرے شہر میں سڑکیں کئی ہیں لازوال
لیکن اک ایسی سڑک بھی ہے نہیں جس کی مثال

اس کی چھاتی پر کئی نائگے الٹ کر رہ گئے
سیکروں گھوڑوں کا اس پر ہو چکا ہے انتقال

آس پاس اس کے جو نتے ہیں نہ ان کی پوچھیے
جس قدر دبیا ہے یہ، ہیں اس قدر وہ خستہ حال

رونقیں ہی رونقیں ہیں جس طرف بھی دیکھیے
چیخنے لگتے ہیں اس پر شام ہوتے ہی فیغال

لاریاں پڑوں کی دیکھو گے اس پر صبح و شام
ورقة انساں تو نظر آتا ہے اس پر خال خال

اس میں ایسی کھائیاں ہیں ایسے ایسے غار ہیں
دفن ہو سکتا ہے جن میں آدمی بعد از وصال

ڈگگا جاتے ہیں ریڑھے لڑکھڑا جاتی ہے جیپ
واپس آ جائے سلامت سائکل کی کیا مجال

(اندیشہ شہر)

مینہ برس جائے تو چل سکتی ہیں اس پر کشتمیں
ڈوب جانے کا بھی ہو جاتا ہے اکثر احتمال
اس کی ڈھلوانوں پر موڑ کا دھڑک جاتا ہے دل
اس کے موڑوں پر لرز جاتے ہیں اکثر باکمال
اس پر جانے کا کبھی ہوتا ہے جس کو انتقام
اس کے لوٹ آنے کا پیدا ہی نہیں ہوتا سوال
سوچتا رہتا ہوں کب میرے وظیفے کی طرح
اس کی بدحالی کا آتا ہے حکومت کو خیال
☆☆☆☆

مشق

- ۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کیجیے:
- (الف) شاعر کس سڑک کو بے مثال کہ رہا ہے؟
(ب) مذکورہ سڑک پر گھوڑوں پر کیا میتی؟
(ج) سڑک پر چلنے والی کن سواریوں کا علیہ بگڑتا ہے؟
(د) سڑک پر چنے جانا پڑے، اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟
(ه) شاعر نظم کے آخری شعر میں کے توجہ دلائی ہے؟
- ۲۔ نظم میں مثال، انتقال، حال، فغال اور وصال ہم آواز الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ایسے الفاظ کیا کہلاتے ہیں؟
- ۳۔ متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:
- (الف) شاعر کے پوش نظر یہ نظم کتنے کا مقصد ہے:
(i) تنقید برائے تنقید (ii) مزاج
(iii) طنز برائے اصلاح (iv) مبالغہ آرائی

(ب) یہ نظم کس شاعر نے لکھی ہے؟

(i) جیل الدین عالی (ii) دل اور فگار

(iii) محمود سعدی (iv) ضمیر جعفری

(ج) جو شخص اس سڑک پر گیا پھر:

(i) تھک کر پھر رہوا (ii) زخمی ہو کر آگیا

(iii) کبھی بوٹ کر نہ آیا (iv) پھسل پڑا

(د) یہ نظم کس مجموعے سے لی گئی ہے؟

(i) انديشہ شهر (ii) مطلع عرض ہے

(iii) سنگینے (iv) فی سبیل اللہ

(ه) شاعر نے کس سڑک کا مسحک اڑایا ہے؟

(i) مال روڈ (ii) مال گودام روڈ

(iii) طارق روڈ (iv) بند روڈ

(و) اس سڑک پر تانگے اٹ جانے سے گھوڑوں پر کیا گزرتی ہے؟

(i) بھاگ جاتے ہیں (ii) بے ہوش ہو جاتے ہیں

(iii) مر جاتے ہیں (iv) بیٹھ جاتے ہیں

(ز) سڑک پر شغال کے چینے سے واضح ہوتی ہے:

(i) ویرانی (ii) آمد و رفت

(iii) رونق ہی رونق (iv) ادائی

نظم کو ذہن میں تازہ کریں اور درج ذیل مصروفوں کو مکمل کریں:

(الف) جس قدر ویران ہے یہ، ہیں اس قدر وہ

(ب) دفن ہو بلتا ہے جن میں بعد از وصال

(ج) جاتے ہیں ریڑھے، لڑکھڑا جاتی ہے جیپ

- (۱) اس پے جانے کا کبھی ہوتا ہے جس کو
 (۲) سوچتا رہتا ہوں کب میرے کی طرح
 ۵۔ نظم کا خلاصہ تحریر کریں۔
 ۶۔ نظم کا مرکزی خیال دو تین جملوں میں لکھیے۔

سرگرمیاں

- ۱۔ کسی اور مزاجیہ شاعر کی ایک نظم جماعت میں سنائی جائے۔
 ۲۔ یہ نظم کا پیوں پر لکھیں۔
 ۳۔ شاعر نے نظم میں سڑک کا مزاجیہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ پھر بخاری نے جی ٹی روڈ کا جو حلیہ اپنے مضمون ”لاہور کا جغرافیہ“ میں بیان کیا ہے، اُستاد صاحب کی مدد سے وہ تلاش کر کے جماعت میں سنایا جائے۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ مزاج نگار صورتِ واقعہ سے کس طرح مزاج پیدا کرتا ہے۔
 ۲۔ طلبہ کو بتائیں کہ بات بہ لطف انداز میں کیسے کہی جاسکتی ہے۔
 ۳۔ طلبہ کو بتائیں کہ عام نظم اور مزاجیہ نظم میں کیا فرق ہوتا ہے۔
 ۴۔ طلبہ سے دریافت کریں کہ انہوں نے اور کوئی مزاجیہ نظم پڑھی ہے تو وہ رسالہ یا کتاب جماعت میں لا کر دوسروں کو سنائیں۔

حصہ غزل

حضرت موهانی

(۱۸۷۵ء-۱۹۵۱ء)

حضرت موهانی کا اصل نام سید فضل الحسن اور حضرت مخلص تھا۔ آپ یوپی کے قبے موهان میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے موهانی کہلاتے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ سے بی اے کیا۔ کچھ عرصہ ادبی رسالہ اردوئے معلیٰ نکالنے رہے، پھر ان کی باغیانہ تحریروں کی وجہ سے انگریز حکومت نے یہ رسالہ بند کر دیا۔ حضرت موهانی تحریک آزادی کے اہم رہنما تھے اور بربادی سامراج کی مخالفت کی وجہ سے انھیں طویل عرصے تک قید و بند کی صفوتوں میں برداشت کرنی پڑیں۔ اس زمانے میں قید بامشقت انہائی سخت اور تکلیف وہ ہوتی تھی۔ روزانہ ایک من گیہوں دستی چکلی پر پینٹا پڑتا تھا۔ حضرت موهانی کا یہ شعر اسی زمانے کی یادگار ہے:

ہے مشقِ سخن جاری ، چلنی کی مشقت بھی

اک طرفہ تماشا ہے حضرت کی طبیعت بھی

۱۹۳۶ء میں وہ مسلم ایگ کے نکٹ پر محلس قانون ساز کے زکن منتخب ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی، وہ بھارت ای میں مقیم رہے اور بھارتی پارلیمنٹ میں ہمیشہ کلمہ حق بلند کرتے رہے۔

حضرت موهانی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ عشق و عاشقی کے جذبات ان کی غزل میں بہت نمایاں ہیں اور اس کا بنیادی عصر ترقیل ہے، اس لیے انھیں ”رئیس الحفظ لین“ کا لقب دیا گیا ہے۔

حضرت، اعلیٰ پائے کے غزل گو ہونے کے ساتھ ساتھ، انتقاد ادبيات میں بھی وسیع رکھتے تھے۔ زبان و بیان کی باریکیوں سے سخوبی و اتفاق تھے۔ انہوں نے دیوانِ غالب کی شرح بھی لکھی ہے۔ ان کی تصانیف میں نکان سخن، انتخاب سخن، مشاہدات زندان، کلیات حضرت موهانی اور انتخاب اردوئے معلیٰ شامل ہیں۔

غزل

مدرسی مقاصد

- ۱۔ حضرت مولانا کے شعری اسلوب سے واقفیت دلانا۔
- ۲۔ طلبہ میں غزل کی بیانات کا اور اک پیدا کرنا۔
- ۳۔ حضرت مولانا کی اسیری اور قیدی بائیشقت کے ذکر کے ساتھ ان کی بھیبھائی شاعری کا تعارف کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو مطلع اور مقطع کے اصطلاحی مفہوم سے آگاہ کرنا۔

مُصیپت بھی راحت فرا ہو گئی ہے
 گزی آرزو رہنمہ ہو گئی ہے
 یہ وہ راستا ہے دیارِ وفا کا
 جہاں باد صرصر ، سما ہو گئی ہے
 میں درماندہ اس بارگاہِ عطا کا
 گنہ گار ہوں ، اک خطا ہو گئی ہے
 گزے رتبہ دلِ محبت کی حالت
 گزے شوق میں کیا سے کیا ہو گئی ہے
 پہنچ جائیں گے انتہا کو بھی حضرت
 جب اس راہ کی ابتدا ہو گئی ہے

(کلیات حضرت مولانا)



مشق

درج ذیل سوالات کے جوابات لکھیے:

۱-

(الف) شاعر کے ہاں مصیبت کے "راحت فزا" ہونے کی وجہ کیا ہے؟

(ب) کون سے راستے پر چلنے سے مصیبت خوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے؟

(ج) شاعر منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے پر امید ہے، کیوں؟

۲-

قوسین میں دیے گئے موزوں لفظ سے خالی جگہ پر کیجیے:

(الف) محبوب کی رہنمابن گئی۔ (محبت، جدائی، آرزو)

(ب) غزل کے چوتھے شعر میں حالت بدلنے سے مراد حالات کا ہونا ہے۔ (غیر، بہتر، بدتر)

(ج) اس غزل میں ہم قافیہ الفاظ کی تعداد ہے۔ (چھے، سات، آٹھ)

۳-

حضرت مولیٰ کی غزل کے متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) کون سی چیز راحت فزا ہو گئی ہے؟

(i) رنج	(ii) مصیبت
---------	------------

(iii) ناکامی	(iv) حضرت
--------------	-----------

(ب) شاعر نے کس چیز کو رہنمای ہمہ اخبر دیا ہے؟

(i) وصل محبوب	(ii) محبوب کی تمنا
---------------	--------------------

(iii) داعظ کی نصیحت	(iv) غم روزگار
---------------------	----------------

(ج) کون ساراستہ ہے جہاں باد صرصبا ہو گئی ہے؟

(i) راہِ محبت	(ii) دیارِ وفا
---------------	----------------

(iii) رو دیارِ غیر	(iv) راہِ وفا
--------------------	---------------

(د) انتہا تک پہنچنے کی شرط کیا ہے؟

(i) ابتداء کرنا	(ii) مسلسل
-----------------	------------

(iii) ایثار	(iv) چاہت اور محنت
-------------	--------------------

حضرت مولیٰ کی اس غزل کے قوانی اور ردیف الگ کر کے لکھیے۔

۴-

غزل کے تیسرے شعر اور مقطع کی تعریف کیجیے۔

درج ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم واضح کیجیے:

راحت فزا، صرصر، درماندہ، بارگاہ عطا، انتہا

۷۔ اس غزل کا جو شعر آپ کو سب سے زیادہ پسند ہو، اسے اپنی کاپی پر خوش خط لکھیں اور پسندیدگی کی وجہ بھی تحریر کیجیے۔

۸۔ اس غزل کا مطلع اور مقطع کا پیوں میں خوش خط لکھیں۔

مطلع:

اس کے معنی "طلوع ہونے کی جگہ" کے ہیں۔ اصطلاح میں کسی غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں، بشرطیکہ اس کے دونوں مضرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ وہم ردیف ہوں۔ غالب کی ایک غزل کا مطلع اس طرح ہے:

بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

مقطع:

غزل کے آخری شعر کو، جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، مقطع کہتے ہیں۔ اگر تخلص موجود نہ ہو تو وہ شعر مقطع نہیں ہوگا، بلکہ آخری شعر ہوگا۔ ناصر کاظمی کی ایک غزل کا مقطع ہے:

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر، زندگی پڑی ہے ابھی

سرگرمیاں

۱۔ انٹرنیٹ یا کسی دیگر ذریعے سے حضرت مولانا کی تصویر تلاش کریں۔ تصویر چارٹ پر لگائیں اور حضرت کے تین اشعار خوش خط لکھیں۔

۲۔ ہر طالب علم کچھ شعر زبانی یاد کرے۔

اساتذہ کرام کے لیے:

۱۔ حضرت مولانا کے زمانے کے سیاسی و سماجی حالات طلبہ کو بتائے جائیں اور اس

پس منظر میں اس غزل کا مطالعہ کرایا جائے۔

۲۔ طلبہ کو حضرت کی سیاسی جدوجہد، رکن پارلیمنٹ ہونے اور قید و بند کے بارے میں بتایا جائے۔

۳۔ حضرت مولانا کی کم از کم دو غزلیں طلبہ کو سنائی جائیں۔

جگر مراد آبادی

(۱۸۹۰ء۔ ۱۹۶۰ء)

جگر کا اصل نام علی سکندر اور تخلص جگر تھا۔ بنا رہ میں پیدا ہوئے لیکن ان کا خاندان بوجوہ بنا رہ سے بھرت کر کے مراد آباد میں آبسا تھا، چنانچہ ”جگر مراد آبادی“ کہلائے اور اسی قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ جگر کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، جس میں فارسی کی چند ابتدائی کتابیں شامل تھیں۔ شاعری کا ذوق ورثے میں پایا تھا۔ جگر کے والد علی نظر، صاحب دیوان شاعر تھے۔ جگر اپنی اقتادِ طبع کے لحاظ سے نیک، درویش منش اور سلیم الطبع تھے۔ انہوں نے حج بھی کیا اور مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بہت سی نعمتیں بھی کیں۔ دین کی طرف ان کی توجہ اور رَعْبَت میں اصرُر گوہڑوی کا بھی دخل تھا۔

جگر مشاعروں میں بہت مقبول تھے۔ ان کی آواز بہت اچھی تھی، وہ شعرخوانی ترقی سے کرتے، اس لیے مشاعرہ لوٹ لیتے تھے۔ ان کے ہاں تفڑل کے عناصر نمایاں ہیں۔ ابتدائی دور میں وہ داغ دہلوی سے متاثر تھے لیکن پھر غزل گوئی میں اپنا ایک خاص رنگ پیدا کیا، تاہم غزل کی کلاسیکی روایت کا دامن نہیں چھوڑا۔ ان کا کلام مکھنہ ہے اور اس میں ایک والہانہ پن اور نغمگی کا احساس ہوتا ہے۔

ان کے متعدد شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جن میں آتشیں گل، داغ جگر اور شعلہ طور زیادہ مقبول ہوئے۔

غزل

تدریسی مقاصد

- ۱۔ چہر کی غزل کے حasan سے طلبہ کو آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ میں شعر فہمی کا ذوق پیدا کرنا۔
- ۳۔ یہ غزل سہلِ ممتنع کی مثال ہے۔ اس کی وضاحت کرنا اور معنی و مفہوم واضح کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو دریف اور قافیہ کا فرق بتانا۔

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

بھول جاتا ہوں میں تم اُس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے

آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رگ ، تیری نہیں سے ملتا ہے

سلد ، فتنہ قیامت کا
تیری خوش قاتمی سے ملتا ہے

بل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل ، اُسی سے ملتا ہے



(کلیات جگر)

کاروبارِ جہاں سنورتے ہیں
ہوشِ جب بے خودی سے ملتا ہے
روح کو بھی مزا محبت کا
دل کی ہسائیگی سے ملتا ہے

☆☆☆☆

مشق

۱۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے مختصر جواب لکھیے:

(الف) اس غزل کے مطلع کی نشان دہی کیجیے اور اپنی کاپی میں اسے الگ لکھیے۔

(ب) پھولوں کا رنگ ہنسی سے ملنے کا مفہوم واضح کیجیے۔

(ج) ہوش اور بے خودی کے ملنے سے دنیا کے کاروبار کیسے سنورتے ہیں؟

(د) مطلع میں کس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

(ه) پانچویں شعر میں مل کر نہ ملنے سے کیا مراد ہے؟

مندرجہ ذیل الفاظ کو جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کی تذکیرہ تانیہ واضح ہو جائے:

آدمی، دل، تم، ہنسی، قیامت، ہوش، روح، ہسائیگی

۲۔ مندرجہ ذیل شعر کی تشریح کیجیے:

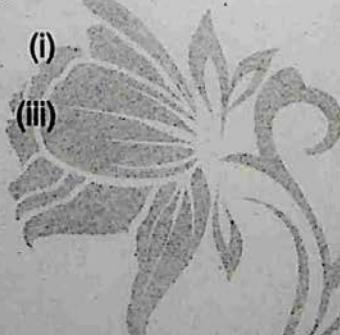
میل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا نوٹ کر دل ، اُسی سے ملتا ہے

جگہ مراد آبادی کی غزل کا متن ذہن میں رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) محبوب کے سادگی سے ملنے کا شاعر پر کیا اثر ہوتا ہے؟

(i) خوشی سے پھولانہیں سماتا (ii) محبوب کے تم بھول جاتا ہے

(iv) نشے ساچھا جاتا ہے (iii) ہرغم بھول جاتا ہے



(ب) پھولوں کا رنگ محبوب کی کس بات سے ملتا ہے؟

- | | | | |
|---------------|------|---------|-----|
| شکل و صورت سے | (ii) | ہنسی سے | (i) |
|---------------|------|---------|-----|

- | | | | |
|-------------|------|--------------------|-------|
| خوش پوشی سے | (iv) | تازگی اور زراکت سے | (iii) |
|-------------|------|--------------------|-------|

(ج) فتحہ قیامت کا سلسلہ کس سے ملتا ہے؟

- | | | | |
|--------------|------|-----------------------|-----|
| خوش ادائی سے | (ii) | محبوب کی خوش قاتمی سے | (i) |
|--------------|------|-----------------------|-----|

- | | | | |
|---------------|------|------------|-------|
| محفل آرائی سے | (iv) | انگڑائی سے | (iii) |
|---------------|------|------------|-------|

(د) دل ٹوٹ کر کس سے ملتا ہے؟

- | | | | |
|----------|------|------------|-----|
| دریبا سے | (ii) | کچھ ادا سے | (i) |
|----------|------|------------|-----|

- | | | | |
|------------------------|------|------------|-------|
| مل کے بھی جو نہیں ملتا | (iv) | خوش ادا سے | (iii) |
|------------------------|------|------------|-------|

(ه) بے خودی سے ہوش آنے پر کیا ہوتا ہے؟

- | | | | |
|--------------------------|------|-------|-----|
| کاروبار جہاں سورجاتے ہیں | (ii) | افسوں | (i) |
|--------------------------|------|-------|-----|

- | | | | |
|-------------------|------|------------------------|-------|
| ادایی بڑھ جاتی ہے | (iv) | بے خودی کو جی چاہتا ہے | (iii) |
|-------------------|------|------------------------|-------|

(و) روح کو محبت کا مزہ کب ملتا ہے؟

- | | | | |
|-----------------|------|-------------------|-----|
| بھروسہ فراق میں | (ii) | دل کی ہمسایگی میں | (i) |
|-----------------|------|-------------------|-----|

- | | | | |
|------------------------|------|----------|-------|
| تنهائی اور یک سوئی میں | (iv) | وصال میں | (iii) |
|------------------------|------|----------|-------|

تو سین میں دیے گئے الفاظ سے درست جواب کا انتخاب کر کے خالی گلہ پر کیجیے:

۵۔ (الف) مگر کرم کسی سے ملتا ہے (محبوب، دل، آدمی)

(ب) دوسرے شعر میں ”وہ“ سے مراد ہے۔ (محبوب، آدمی، درست)

(ج) کاروبار سورجاتے ہیں (عاشقان، جہاں، دنیا)

(د) ساتواں شعر غزل کا ہے۔ (مطلع، مقطع، آخری شعر)

۶۔ اس غزل میں ردیف اور قوانین کی نشان دہی کیجیے۔

قافیہ:

کسی شعر کے آخر میں آنے والے ہم وزن اور ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔ اگر شعر میں ردیف بھی ہو (ردیف کا ہونا

لازی نہیں) تو قافیہ ردیف سے پہلے آئے گا، مثلاً:

اہنِ مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
بھرے راہ سے وہ بیہاں آتے آتے اجل مردی ٹوکھاں آتے آتے
بیہاں پہلے شعر میں "ہوا" اور "دوا" جب کہ دوسرے شعر میں "بیہاں" اور "کھاں" قافیہ ہیں۔

ردیف:

کسی شعر میں قافیہ کے بعد آنے والے ایک جیسے لفظ یا ایک جیسے الفاظ ردیف کہلاتے ہیں۔

اگر غزل کے مطلع میں ردیف موجود ہو تو باقی اشعار کے دوسرے حصے میں ردیف آتی ہے، تاہم غزل غیر مرذف بھی ہوتی ہے۔

"قافیہ" کے ضمن میں دیے گئے اشعار میں "کرے کوئی" اور "آتے آتے" ردیف ہیں۔

سرگرمیاں

- ۱۔ جگر کی یہ غزل زبانی یاد کریں اور کاپی میں لکھیں۔
- ۲۔ جماعت کے کمرے میں ذرست تلقظہ کے ساتھ اس غزل کی بلند خوانی کی جائے۔
- ۳۔ جگر مراد آبادی کے حالات زندگی اپنے استاد سے پوچھ کر کاپی پر نوٹ کریں۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کو جگر کی کوئی اور غزل لکھوائی جائے اور پھر ان سے پڑھوایا کر سُنی جائے۔
- ۲۔ جگر کے حالات زندگی طلبہ پر واضح کیجیے۔
- ۳۔ سہل متنع کیوضاحت کرتے ہوئے میر قیس کی کوئی غزل اور مومن کی غزل "دشم" مرے پاس ہوتے ہو گویا، طلبہ کو سُنائی جائے۔
- ۴۔ غزل اور نظم کا فرق بتایا جائے۔
- ۵۔ طلبہ کو اچھی غزل کی خوبیاں سمجھائیں۔

فرقہ گورکھپوری

(۱۹۸۲ء-۱۹۹۶ء)

فرقہ گورکھ پوری، گورکھ پور کے ایک ممتاز ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اصل نام رکھوپتی سہائے تھا۔ کاسٹہ ہندو گھرانوں کے دستور کے مطابق، ابتدائی تعلیم اردو اور فارسی میں ہوئی۔ بی اے ال آباد یونیورسٹی سے کیا۔ زمانہ طالب علمی ہی سے شعر کہنا شروع کردیے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے بطور پرائیویٹ امیدوار ال آباد یونیورسٹی سے ایم اے انگریزی ادبیات کا امتحان ریکارڈ نمبروں کے ساتھ پاس کیا، جس کے بعد اسی یونیورسٹی میں انگریزی کے استاذ مقرر ہو گئے۔

ابتدائی افسانہ نگاری بھی کی مگر بنیادی طور پر وہ شاعر تھے۔ انہوں نے اردو غزل کوتازگی اور توہنائی عطا کی۔ ناقدرین انھیں میر کے رنگِ تنزل کا نام دیدہ شاعر قرار دیتے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے بقول: ”غزل کا آئینہ جو رنگ و آہنگ ہو گا، اس کی ساخت و پرداخت میں فرقہ گورکھپوری کا بڑا ہم حصہ ہو گا۔“

فرقہ گورکھپوری نے غزل گوئی کے ساتھ ساتھ اپنے تنقیدی مضامین سے بھی شہرت حاصل کی۔

ان کی تصانیف میں شعلہ ساز، روح کائنات، اندازے، حاشیے، شب نہستان، اردو کی عشقیہ شاعری اور اردو غزل گوئی شامل ہیں۔ حکومت بھارت اور سوویت یونین کی طرف سے انھیں معدہ داعز ازات سے نوازا گیا۔

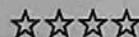
غزل

مدرسی مقاصد

- ۱۔ فراق کی شاعری کی فنی و معنوی خوبیوں سے تعارف کرانا۔
- ۲۔ اردو غزل کے اوصاف سے طلبہ کو آشنا کرنا۔
- ۳۔ بیت کے اعتبار سے غزل کے اجزاء اور اس کی نمایاں خصوصیت ایجاد و انصراف کے بارے میں طلبہ کو بتانا۔

سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمٹا بھی نہیں
 لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسہ بھی نہیں
 ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
 اور ہم بھول گئے ہوں تجھے، ایسا بھی نہیں
 یوں تو ہنگامے اٹھاتے نہیں دیوانہ عشق
 مگر اے دوست، کچھ ایسوں کا ٹھکانا بھی نہیں
 آج غفلت بھی ان آنکھوں میں ہے پہلے سے سوا
 آج ہی خاطر پیار ٹکلیبا بھی نہیں
 رنگ وہ فصلِ خداں میں ہے کہ جس سے بڑھ کر
 شانِ رکنیٰ خُن چمن آرا بھی نہیں
 بات یہ ہے کہ سکونِ دل وحشی کا مقام
 کنج زندگی نہیں وسعتِ صمرا بھی نہیں
 ہم اُسے منھ سے رہا تو نہیں کہتے کہ فراق
 دوست تیرا ہے، مگر آدمی لختا بھی نہیں

(شبستان)



مشق

مندرجہ ذیل سوالوں کے مختصر جواب دیں:

- (الف) فراق گورکھپوری کی شامل نصاب غزل ان کے کس مجموعے سے لی گئی ہے؟
 (ب) شاعر نے سراور دل میں کس چیز کی کاڈ کر کیا ہے؟
 (ج) شاعر کو کسی کی یاد کتنے عرصے سے نہیں آئی؟

(د) شعری اصطلاحات کے حوالے سے اس غزل کی روایت کیا ہے؟

۱۔ آپ حضرت موبہنی کی غزل کی مشق میں مطلع اور مقطع کے بارے میں پڑھ چکے ہیں، اس کی روشنی میں درج ذیل سوالات میں سے درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) درج ذیل شعرو اعد کے لحاظ سے کیا ہے؟

سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں
 لیکن اس ترک محبت کا بھروسہ بھی نہیں

(i) غزل کا پہلا شعر (ii) غزل کا آخری شعر (iii) مطلع (iv) مقطع

(ب) ہم اُسے منھ نہ تے برا تو نہیں کہتے کہ فراق
 دوست تیرا ہے، مگر آدمی لختا بھی نہیں
 یہ شعرو اعد کی رو سے کیا ہے؟

(i) مطلع (ii) مقطع (iii) عام شعر

(ج) اس غزل میں روایت کیا ہے؟

(i) تمنا، بھروسہ (ii) نہیں (iii) بھی نہیں

(د) اس غزل میں تکیدا، اچھا، اپا تو اعد کی رو سے کیا ہیں؟

(i) قافیہ (ii) روایت (iii) فعل

۲۔ فراق گورکھپوری کی اس غزل کا کون سا شعر آپ کو زیادہ پسند ہے؟ وجہ بھی لکھیں۔

۳۔ فراق کی غزل کے متن کو ہم میں رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) سر میں سودا بھی نہیں دل میں

(i) درود بھی نہیں (ii) چاہت بھی نہیں (iii) تمنا بھی نہیں (iv) امنگ بھی نہیں

(ب) سکون دل وحشی کا مقام کہاں نہیں؟

(i) بیج زندان میں (ii) وسعت صحرائیں (iii) زمیں میں (iv) کہیں نہیں

- (ج) شاعر کو محبوب کی یاد کب سے نہیں آئی؟
- (i) ایک ماہ سے (ii) ایک سال سے (iii) ایک مدت سے (iv) ایک عرصے سے
- (د) مقطعے میں کسے برانہ کہنے کا ذکر کیا گیا ہے؟
- (i) محبوب کے دوست کو (ii) رقبہ کو (iii) اپنے دوست کو (iv) جوئے اگلے

مصرع کمل کریں: ۵-

ایک _____ سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
یوں تو _____ اخھا تے نہیں دیواۃِ عشق
آج غفلت بھی ان آنکھوں میں ہے پہلے سے _____
بات یہ ہے کہ سکون دل وحشی کا _____
تیز ہے، مگر آدمی اچھا بھی نہیں _____

غزل کے پہلے اور دوسرے شعر کی تشریح کریں۔ ۶-

درج ذیل الفاظ و تراکیب کے جملے بنائیے: ۷-

سودا، بھروسہ، دیواۃِ عشق، ترکِ محبت، خیبا، غفلت

سرگرمیاں

- ۱۔ فراق کی اس غزل کو زبانی یاد کریں اور تکاپی میں خوش خط لکھیں۔
- ۲۔ ہر طالب علم کسی غزل سے اپنی پسند کے دو شعر بنائے۔
- ۳۔ طلبہ کے درمیان بھاعت کے کرے میں بیت بازی کا مقابلہ کرایا جائے۔

اساتذہ کرام کے لیے:

- ۱۔ طلبہ کے سامنے مرڈف اور غیر مرڈف غزل کی وضاحت کریں۔
- ۲۔ طلبہ کو مقطعہ اور آخری شعر کا فرق بتائیں۔
- ۳۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ غزل دیگر اصناف شعر کے مقابلے میں اپنی سادگی، سلاست، شکنی اور ایجاد و اختصار کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔

ادا جعفری

(۱۹۲۳ء - ۲۰۱۵ء)



ادا جعفری بدالیوں میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام مولوی بدر الحسن تھا۔ ان کا اصل نام عزیز جہاں ہے۔ ادا جعفری اختیار کیا۔ طن کی نسبت سے ادا بدالیوں کہلائیں۔ نور الحسن جعفری سے شادی ہوئی تو ادا جعفری ہو گئیں۔ تقسیم کے بعد ان کا خاندان پاکستان آگیا۔ ان میں شعر گوئی کی امتیز اور فطری صلاحیت موجود تھی۔ نظم نگاری سے شاعری کی ابتدائی، پھر غزل کہنے لگیں۔ ابتدائی دور میں اثر لکھنؤی سے، بعد ازاں اختر شیرازی سے اصلاح لی۔ ادا جعفری کی پہلی غزل رسالہ رومان میں شائع ہوئی۔ ان کی غیر معمولی شعری صلاحیتوں کا اعتراض کرتے ہوئے اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد نے انہیں "کمالِ فن ایوارڈ" دیا ہے۔ انہیں ادب میں حسن کارکردگی کا صدارتی تمغہ بھی مل چکا ہے۔

ان کی غزلوں میں تنزل کے عناصر، لطیف احساسات، ایک بے نام افسر دگی اور جدائی کی کمک موجود ہے۔

ان کی خود نوشت خورہی سو بیہ خبری رہی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ ان کے شعری مجموعوں میں شہر درد، میں ساز ڈھونڈتی رہیں، غزالاں تم تو واقف ہو اور ساز سخن بہانہ ہی شامل ہیں۔ ان کی شاعری کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔



غزل

تدریسی مقاصد

- ۱۔ طلبہ کو ادا جعفری کے مخصوص اسلوب غزل گوئی سے روشناس کرانا۔
- ۲۔ اردو غزل کے اوصاف سے طلبہ کو آشنا کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو اردو کی جدید اور روایتی غزل کے فرق سے آگاہ کرنا۔

یہ فخر تو حاصل ہے ، نہ ہے ہیں کہ بھلے ہیں
دوچار قدم ہم بھی ترے ساتھ چلے ہیں

جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں

نازک تھے کہیں رنگِ گل و نوئے سمن سے
جدبات کہ آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں

تھے کتنے ستارے کہ سر شام ہی ڈوبے
ہنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

جو جھیل گئے ہنس کے کڑی ڈھوپ کے تیور
تاروں کی ننک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں

اک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لین
ہم گردش دوراں سے بڑی چال چلے ہیں

(غزالاں تم تو واقف ہو)



مشق

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجیے:

(الف) غزل کے مطلع میں شاعرہ کس بات پر نزاں ہے؟

(ب) دل کے کنول اورچااغوں میں کیا بیادی فرق بتایا گیا ہے؟

(ج) ”اک شمع بھائی“ سے کیا مراد ہے؟

دیے گئے جوابات میں سے درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) شاعرہ کو کس بات پر فخر ہے؟

(i) محظوب کے ہم قدم ہونے پر (ii) اچھا شعر کہنے پر

(iii) آسمان کے مہربان ہونے پر (iv) محظوب کے التفات پر

(ب) اک شمع بھائی تو:

(i) ہم پچھتائے بہت (ii) کئی اور جلالیں

(iii) سو رہے (iv) بے سکون ہو گئے

(ج) یہ غزل کس مجموعہ کلام سے لی گئی ہے؟

(i) شیر درد (ii) سازخن بہانہ ہے

(iii) میں سازڈھوڈتی رہی (iv) غزال تم تو واقف ہو

(د) ”جو جیل مگنے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور“ میں کڑی دھوپ سے مراد ہے:

(i) سورج کی حدت (ii) زمانے کے مصائب

(iii) محظوب کی بے رنی (iv) عام دکھ اور بیماری

(e) پہلے شعر میں ”چڑے“ کو کہیں گے:

(i) مطلع (ii) ردیف

(iii) قانیہ (iv) مقطع

(و) "نازک تھے کہیں رنگِ گل دمے سمن سے" میں رنگِ دمے سے مراد ہیں:

- | | |
|-------------------------|-------------|
| (i) آداب | (ii) جذبات |
| (iii) تصورات | (iv) خیالات |
| (z) غزل کا چھٹا شعر ہے: | |
| (i) مطلع | (ii) مقطع |
| (iii) آخری شعر | |

۳۔ درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیں:

مقدار، جذبات، گل، سمن، خورشید، شمع، گردش

۴۔ کالم (الف) کے الفاظ کالم (ب) کے الفاظ سے ملا گئیں:

کالم (ب)	کالم (الف)
سرشام	چراغوں کا مقدار
خورشید	رنگِ گل
تیوار	ستارے
بوئے سمن	ہنگامِ حر
جلنا	کڑی دھوپ

۵۔ آپ آغا جعفری کی اس غزل کی روایف اور قوانی کی نشان دہی کریں۔

سرگرمیاں

۱۔ اس غزل کی روایف اور قوانی اپنی کاپیوں پر خوش خط لکھیں اور اپنے استاد کو دکھا کر صحیح کرائیں۔

۲۔ آغا جعفری کی کوئی اور غزل کا پیوں میں نوٹ کریں۔

۳۔ جماعت کے کمرے میں اس غزل کو درست تلفظ کے ساتھ بلند آواز سے پڑھا جائے۔

اساندہ کرام کے لیے:

- ۱۔ ارجعفری کے سوانحی کوائف اور شاعری کی خصوصیات سے طلبہ کو آگاہ کیا جائے۔
- ۲۔ طلبہ کو آگاہ کیا جائے کہ غزل کے موضوعات وقت کے ساتھ بدلتے ہیں۔ پہلے صرف حسن و عشق ہی غزل کا موضوع تھا۔ اب اس میں ہر قسم کے موضوعات پر غزلیں کہی جا رہی ہیں۔
- ۳۔ اگر میر آئے تو ارجعفری کی خود نوشت جو رہی سوبئے خبر رہی سے اقتباسات پڑھ کر طلبہ کو سنائے جائیں۔
- ۴۔ ارجعفری کے مجموعہ کلام غزالاں تم تو واقف ہو سے کم از کم دو اور غزلیں طلبہ کو سنائی جائیں۔

☆☆☆

فرہنگ

امن اور سلامتی کے لیے بولتے ہیں۔ معنی ہے:	الامان:	ابتداء: شروع
خدا کی پناہ		امنائے زمانہ: زمانے کے بیٹھے، دنیا دار
دین سے پھرنا	الحاد:	آنچھ: نئی یا زیادی بات جو کسی کو نہ سمجھی ہو
مد دگار	امدادگار:	اپلا: گائے بھیں کا گورپسے تھاپ کر نشک کر لیتے ہیں
یہ کلمہ کسی خطرے یا آنے والی آفت سے بچنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ معنی ہیں: اللہ بچائے	الحدر:	اور بطور ایندھن استعمال ہوتا ہے
معاملات، کام، امریکی جمع	أمور:	اتاترک: مصطفیٰ کمال پاشا کا لقب ہے، لفظی معنی ہیں
امانت دار	امین:	"ترکوں کا باپ"
موت، وفات، خلیل ہونا	انتقال:	اجاگر ہوئے: نمایاں ہوئے
اوڑھنا پچھونا: لازمہ، ضروری		اچھے کی بات: انوکھی بات، گلمندی کی بات
اوسان خطا ہوتا: ہوش اڑ جانا، بہت پریشانی		احتمال: امکان، ممکن ہونا، یقین ہونا
اہلِ کمال: باہنرلوگ، اپنے فن میں کامل لوگ		احتیاج: ضرورت، محتاجی
اہلِ گہبی: ناز و ادائے، ارتاتے ہوئے		از سرنو: نے سرے سے
حوالا:	حوالا:	ازل: لمحہ آغاز، جب کائنات وجود میں آئی
ایکا ایکی:	اچانک	اپسیچ: تقریر، پیچھہ
ایماپر:	خواہش پر	استعداد: صلاحیت، قابلیت
آبِ حیات: ایک فرضی جسمی کا پانی۔ فرض کیا گیا ہے کہ جو شخص		اشتہار ہو جاتا: خبر کر دی جاتی، مطلع کیا جاتا
آبِ حیات پی لے، وہ کبھی نہیں مرتا		اشغال: شغل کی جمع، مصروفیات
آبِ نشک:	حندہ اپانی	اصطبل:
آبِ رواں:	کپڑے کا نام، اصل معنی بہتا ہوا پانی	گھوڑوں کے رکھنے کی جگہ
آتشی:	آگ سے متعلق	اضحکال:
آثار قدیمہ:	پرانی تہذیب کی نشانیاں، عمارت، مساجد، مقبرے وغیرہ	کمزوری، کاملی، سُستی
آرائش و تزئین:	سجادوں	افلاک:
		آسمان، فلک کی جمع
		اقبال مند:
		بلند درجے والا، خوش بخت
		اکتساب علم کرنا: علم حاصل کرنا
		اکھڑا ذیل:
		اکھرے جسم کا، دبلا پتلا

آفت کا نارا:	میسیت کامارا
آمادہ کرنا:	رمضنی کرنا
آئتا و صد قا کہنا:	(نہ چاہئے ہوئے بھی) تسلیم کر لینا (لفظی معنی ہیں، آمٹا: ہم ایمان لائے، صد قتا: ہم نے تصدیق کی)
آج:	حرارت، پیش، گری
آنکھیں دھندا لائیں:	نظر کمزور ہو گئی
آہو:	ہرن
آؤ مگت:	خدمت، سیوا
آئین جاری ہوا:	قانون یا ضابطے کا اعلان ہوا
بادل خواستہ:	نہ چاہئے ہوئے، دل پر جر کر کے باوی صصر:
باردار:	پھل دار
بارگاہ عطا:	الله کا دربار (لفظی معنی ہے: جہاں سے کچھ ملتا ہو)
باولی:	وہ پختہ کنوں جس میں سلح آب سکھ اترنے اور وہاں سے پانی بھرنے کے لیے میرے ہیں بنی ہوتی ہیں تاکہ مسافر بغیر رسی اور ڈول کے نیچے اتر کر پانی لے سکیں
براؤ کاسٹنگ:	رینی یویائی وی سے پروگرام نشر کرنے کا عمل
برخوردار:	عزیز، عونا بیٹھے یا چھوٹی عمر کے کسی عزیز، رشتے دار یا شاگرد وغیرہ کے لیے بولا جاتا ہے
برگ وبار:	پتے اور پھل
برماتا:	زخمی کرنا
بساط:	ہمت، توفیق
بورتی ہوئی:	منہ بناتی ہوئی

پیزی:	ایک قسم کا دیسی سگر یہ جو تمبا کو کوڈھاک کے پتے میں لپیٹ کر بنائی جاتی ہے
بیش بہا:	بہت تیقینتی
بے مزدہ:	اجرت کے بغیر، بے صد
بے مہار:	مراد ہے آوارہ
بے ہودہ:	فضل
پاس داری:	خیال رکھنا، حمایت
پاکی:	ڈولی، سواری
پالیکس:	سیاست
پائیں باغ:	مکان یا قلعے کے محن کا باغ، لان
پائیے تجھیل:	مکمل ہونا
پبلک پلیسٹ فارم:	عوامی پلیسٹ فارم
پتا پھٹ جانا:	اچانک شدیدرنج پہنچنا خوف زدہ ہونا
پٹا پڑا تھا:	بھرا پڑا تھا، کثیر تعداد میں تھا
پچک کاری:	نکاشی، مرتع سازی، نقش و نگار
پختہ کار:	تجربہ کار ماہر
پڑاں:	مکھرے ہوئے، اڑتے ہوئے
پر چھ:	خبر
پرستاں:	پریوں کا دلیں
پر کھنے:	جانپنے
پروان چڑھے:	پھلے پھوٹے
پریزاد:	پری کی اولاد
پشواظ:	عورتوں کی پوشش جو پاؤں تک لمبی ہوتی ہے
پکڑا ج:	زور در بگ کا قیمتی موتو
پنجمی:	پہنچہ

جلوہ گر:	نمايان	خواہش:	تمنا:
جلوہ قدرت:	قدرت کاظھور	غربت، خراب مالی حالت	تکنگی ترشی:
جم غیر:	بہت بڑا مجھ، بجوم	نعت خانہ، جہاں کھانے پینے کی چیزیں رکھی جاتی	تو شہ خانہ:
جمادات:	بے جان اشیا، پہاڑ وغیرہ	پیں	
جنہش:	حرکت	دھمکی، ڈرانا، سرزنش	تهدید:
جویاۓ علم:	علم کے متلاشی	مبازک باد، خوش	تہذیت:
جھاڑ جھنکار:	غیر ضروری لگاس پھوس اور پودے	ٹھانوالا:	
جھاڑنا:	بھلا نا، صاف کرنا	پودے یا درخت کا تھالا، درختوں یا پودوں کے گرد پانی دینے کا گڑھا	
جھاڑناہما رنا:	پودوں اور چین کو ہر طرح سے صاف کرنا	تیرشانے پر بیٹھنا:	سازش میں کامیاب ہوجانا
جھبٹ پٹ:	جلدی	تیور:	انداز، مزان
جھٹ پٹا:	مغرب کے بعد کا وقت، اندر ہیر آجالا ملنے کا وقت	ٹائٹا:	مضبوط، توانا
جھرمٹ:	گروہ، حلقو، بھیر، جمگھٹا	ٹکائی:	کپڑوں پر موئی ٹالنے کا عمل
جھری:	وزز، روزن	ٹکڑے کا سہارا:	روٹی روزی کا آسرا
جھکولا کھا کر:	غوط کھا کر، چکرا کر	ٹھنڈا:	جھنڈا
جھلاؤ:	شہد کی کھیوں کا ذل، بجوم	ٹنٹن:	موسیقی کی آواز
چاہ:	کتوان	ٹوٹ کر:	شدید جذبہ محبت سے، انہائی
چرپی:	چڑے کا بنا ہوا	ٹھانٹھ:	شان و شوکت، دھوم دھام
چشم و چراغ:	آنکھ کا تار، فرنز	ٹھنے سے:	مزے سے، ڈھنڈتے سے
چشمہ حیات:	زندگی کا سرچشہ، جس پر انسانی زندگی کی بقا مخصر ہے	ٹکھکائی:	مار پیٹ، مرمت
چمن آرنا:	مالی، با غبان	جاذب:	خوب صورت، اچھا گئنے والا
چوب کار:	پھرے دار، ڈنڈا بردار (چوب کا اصل معنی: لکڑی)	جامع العلوم:	ہر فن مولا، بہت سے علوم میں ماہر
چوکا:	چبوتہ، تخت (جور سوئی کے اندر رکھا ہوتا ہے)	جاودا نی:	ہمیشہ کی
چھلیں کرنا:	مذاق کرنا، شراریں کرنا	جلال پا:	حد، جلن
		جلال میں آنا:	غصے میں آ جانا
		جلوہ آرنا:	جلوہ دکھانا

چھاچھہ:	لئی
چھانٹی:	انتخاب
چھوٹے ہی:	پہلی فرست میں، ابتدائی میں
حالِ زار:	بری حالت
حائل:	روکنے والی، رکاوٹ
حباب:	بلبلہ
حباب میں آکر:	جھیک میں آ کر، شرمندگی کی بنا پر
حدت:	گرمی
حرج:	نقسان
صب و ستور:	معمول یا طریقے کے مطابق
حکیمتِ مثابر:	حقیقتِ منتظر یعنی وہ حقیقت جس کا انتظار ہے
حوض:	تالاب
حیلے حوالے:	بہانے، جواز
خاشاک:	سوکھی گھاس، گھانس پھونس
خاصہ:	خاص لوگوں کا کھانا
خاطر:	دل، لحاظ، طبیعت
خاطر پیارِ غیکبا:	صبر سے ذکر جملے والے کے لیے تسلی
خاطر جمع رکھنا:	حوالہ رکھنا، تسلی رکھنا
خاطرداری:	تواضع، خدمت
خاکستر:	راکھ
خاک نشین:	خاک میں بیٹھنے والے، درویش
خاکی:	مٹی سے بننے ہوئے
خالِ خال:	کم کم
خامہ فرسائی کرنا:	لکھنا، تحریر کرنا (خامہ قلم کو کہتے ہیں)

دیوار:	شہر، گھر، بستی
دیدنے شنیدن:	دیکھانہ تا
دیکھنے:	پرانا
دیپا لئے عشق:	عشق میں دیوانہ
ڈسٹ:	لکن، شوق
ڈسٹ باندھنا:	پچا ارادہ کر لینا
ڈسٹن لہرانا:	ایک ہی ڈسٹن کا پیدا اور نمایاں ہونا۔ یہاں ڈسٹن سے مراد ہے، پاکستان کے لیے محبت کا جذبہ
ڈول درست کی:	وضع درست کی۔ ڈول کے لفظی معنی ہیں: کھیت کی منڈیر، پختہ، کنارہ
ڈھیڑ:	ایک چلی ذات کا نام
ذی وقار:	عزت والا
براحت فزا:	خوش گوار، خوشی بڑھانے والی/ والا
راہ گزار:	راتے
ربط:	تعلق، واسطہ، رابطہ
رتبہ دالن محبت:	محبت کا بلند مقام و مرتبہ جانے والا (محبت ایک پاکیزہ اور بلند مرتبہ جذبہ ہے۔ یہاں مراد ہے اس کی قدر و قیمت جانے والا)
رحلت:	موت، (لفظی معنی ہیں: روائی)
رسم و رواہ:	جان پیچان
رسوئی:	کھانا تیار کرنے کی جگہ، باور پی خانہ
رطبہ اللسان:	مداح، ترزوں
رُجُب گانختا:	مرحوب کرنا۔
رُخْدَہ آگیا:	لرزہ طاری ہو گیا، کچی طاری ہو گئی
رشت:	ڈپسی، جمکاؤ

ستائش کی تمنا:	تعریف کی خواہش
ستم:	ظلم
ستپاناسی:	برباد ہو جانے والی
مشی گم ہو گئی:	حوالہ باختہ ہو گئے، ہوش و حواس گم ہو گئے
سر بکھرائے:	کوئی راگ یا گیت گائے
سر پھٹول ہونا:	مرنے مارنے پر اتر آنا، زخمی ہو جانا
سرخ رو:	کامیاب، نیک نام
سرچشمہ:	ماخذ، بنیع، نقطہ آغاز
سرد ہٹنا:	داد دینا
سرک آئی:	کھسک آئی، قریب آگئی
سرگردان:	مارا مارا پھرنا، حیران پریشان
سرمئی قلعی:	پلکے سیاہ رنگ کی قلعی
سر ہونا:	پیچھے پڑ جانا
سقائی:	پانی پلانے کا کام
سلامِ شوق:	محبت بھرا سلام
سمان:	منظر
سناؤنی:	موت کی خبر
سنسان:	دیران
سنگِ جراحت:	مکملکوئی، سفید رنگ کا پتھر جو زخموں کے لیے مفید
ستاتا:	خاموشی، بیہاں مراد ہے: حیرت، سکتے کا عالم
سوا:	زیادہ
سودا:	عشق، جنوں
سوئم:	وفات کے بعد تیرے دن کی رسوم
سہ شنبہ:	منگل کا دن (Tuesday) (فارسی کا لفظ ہے)
شہاگن:	دو ہورت جس کا خاوند زندہ ہو، یعنی: خوش نصیب
سیل:	سیلاپ، کسی چیز کی کثرت
سیلانی:	سافر، سیاح
سیندھی:	کھجور کے رس والی
سینزی:	منظر، قدرتی نظارہ
سیوا:	خدمت
سینپتا:	پودوں کو پانی دینا
شاپیاں شان:	شان کے مطابق، حسب مرتبہ
خُتر:	اوٹ
شجر:	درخت
شُددہ:	ہوتے ہوتے
شررفشاں:	اگارے بکھیرنے والا
شرف:	اعزاز
شش و سچ میں:	تذبذب میں، فیصلہ کر سکنا
شعا:	طریقہ
شعلہ جوالہ:	آگ کی گیند کی طرح پھرنے والا شعلہ
شغال:	گیدڑ
فقق:	سرخی، جو صحیح یا شام کو طلوع یا غروب آفتاب کے وقت آسمان پر نظر آتی ہے
شاخت:	پچان
شناسانی:	جان پچان، واقفیت
شنبہ:	ہفتہ (Saturday) (فارسی کا لفظ ہے)
شور و شفب:	ہلا گلو، جیج پکار
شوشه:	انوکھی یا نیکی بات، پچکا
شہریار:	حاکم، بادشاہ

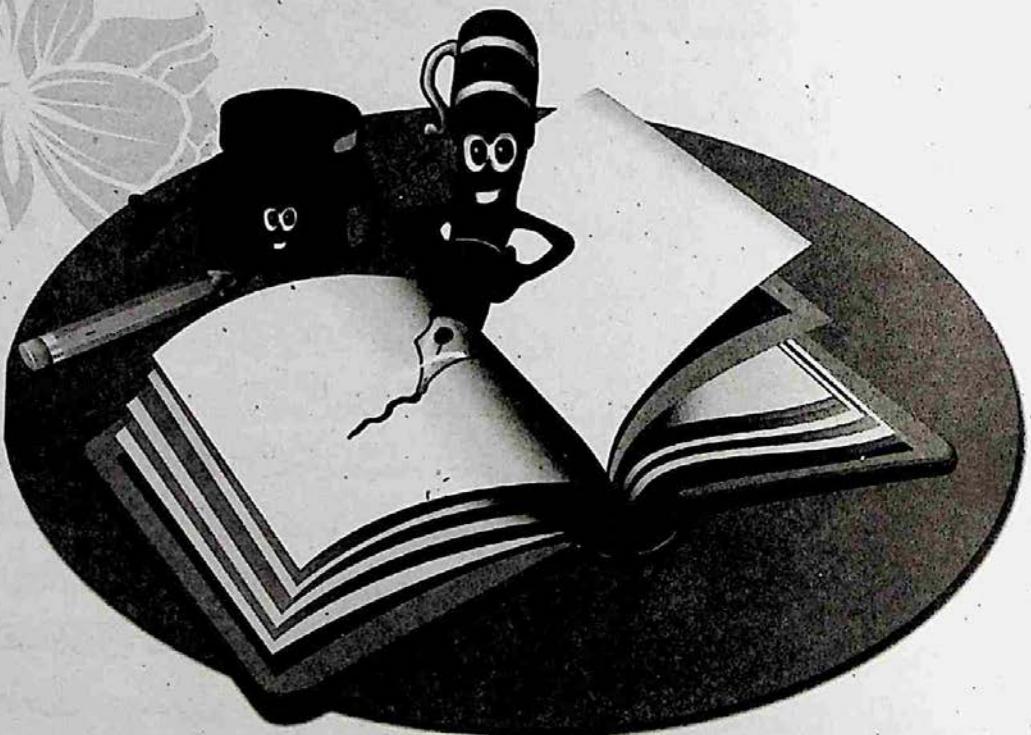
علی گڑھ کے طفیل:	علی گڑھ کے فیض کے سبب سے	فیدا:	عاشق، مذہج
علیل:	بیمار	شیرازہ بندی:	جلد بندی
عنایت فرما:	مہربان، محسن	صاحب تدبیر:	دانش و رغور و فکر کرنے والا
عثای:	سیاہی مائل سرخ رنگ	صبا:	موسم بھار میں چلنے والی خوش گوارہوا
عناد:	ڈشمنی	صریحیل:	خوبصورتی اور دانتائی والا صبر
عنقا:	نایاب	صدائے ہادہو:	طرح طرح کی سرگرمیوں اور ہنگاموں کی آوازیں
غريب الوطن:	پردویسی، وطن سے دور	صلابت:	خخت، مضبوطی، استحکام
غزال:	ہرن	صلی:	صلی یعنی معاوضہ، بدلہ
غم شار:	غم خوار، ہمدرد	صلی کی پروا:	معاویت یا انعام کی فکر
فتیت قیامت:	قیامت کا سانحہ	طبعت اچاٹ ہونا:	دل اٹھ جانا، اکتا جانا
فتح:	اوپر کی آمدی، مراد ہے رقم (فتح کی جمع)	طرف:	عجیب اور انوکھی بات
فرصت معلوم:	مراد ہے فرصت نایاب، فرصت نہیں ہے	طلب:	چاہت، تقاضا
فریقی مخالف:	دشمن، مقابلہ کرنے والا	علم:	علم والا
فی البدیع:	بے ساختہ، اچانک، بغیر تیاری کے	عالم:	دنیا
قاضی واڑا:	جگہ کا نام	عالم کی موت:	عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے: یعنی کسی اہل علم کی موت
قطع:	خشک سالی، نایابی یا کمیابی کی حالت	ایک عہد اور ایک پورے دور کی موت ہوتی ہے	
قدرتی کرنا:	إصرار کرنا، کوشش کرنا	عرض مذہعا:	مقصد بیان کرنا
قرار:	سکون، آرام	عرفان:	پہچان، واقفیت
قسى القلب:	ظالم، بخت دل	عزائم:	عزم کی جمع، ارادے
قضايا آنا:	موت آنا	عزم کرنا:	پکارا دہ کرنا
قفس:	چنبرہ، قید	عزیز زداری، قربت داری:	رشتہ داری
قلب مطمئنہ:	طمیمن دل	عظمت رفتہ:	گئے دنوں کے شہادت باٹ، شان و شوکت
سلطنت، حدود:		علالیت مزاج:	طبعت کی خرابی
عرب کا مشہور عاشق، مجتوں		علقہ:	دریائے فرات کی ایک ضمی نہر جو ایک غصہ علقمہ سے منسوب تھی
کام سنوارنے والا یعنی اللہ تعالیٰ			

کارکنان قضا و قدر: مقدور کو تبدیل کر دینے والے	کارگزار: کام کا دھنی، فرض شناس، کارندہ
کارگزاری: کارنامہ، بڑا کام	کاشانہ: گھر
کام دار: کڑھائی والا	کاشتیکث: معابدہ
کانزا: کانا، ایک آنکھ والا	کاہلے: کاہلا کی جمع، معنی: ایسے ہرن جو وہ تگری سے
کاہلے: ست اور تھکے ہوئے نڑھال ہوں	کاؤنس: مجلس مشاورت
کتریبونت: کاث چھانٹ	کھڑی چارپائی: میلی، ہماڑی
کھڑی چارپائی: دریا کا کنارا، جہاں شیر گری سے بچنے کے لیے آرام کرتا ہے	کھچار: کھینچاتا، کھینچنا
کھنڈلا: جھونپڑا، معمولی سا گمر	کرہمہ انتقام: تبدیلی کا سبب
کھل انھا: خوش ہو گیا	کروفر: شھاث باث، شان و شوکت
گس بل: زور، طاقت، قوت	کڑی دھوپ: مراد ہے شکل وقت
گنج: کہاں، کس جگہ	کشاکش: کھینچاتا، کھینچنا
گن: ہو جا	کلکا: جبر، برخسار
گندن: خالص سونے کی طرح، بے عیب	کلموہا: کا لے منہ والا، ایک طرح کی گاہی
گماہی کرنا: دانے اور بھوسہ الگ کرنے کا عمل	کلیج دھک سے ہو گیا: بہت زیادہ دل بیٹھ جانا، ڈر جانا
فقریوں کا مجہہ (لباس) جس میں بہت سے پوچھ	کلیج پر پتھر رکھنا: مشکل سے برداشت کرنا، خود پر جر کرنا
گلے ہوتے ہیں	کم خواب: قیمتی ریشمی کپڑے کا نام
گرانی: مہنگائی	کمند: پھندا، رستی کی سیرہ میں جس کے ذریعے سے مکان
گرداب: چکر، بھنور	پر چڑھتے ہیں
گردش دوراں: زمانے کی گردش، چال	

گردوں:	آسمان
گلشن:	کپڑے کا نام (اصل معنی، باغ)
کھلانا:	کوئی نئی بات، خلاف معمول کوئی عمل، آفت لانا، عجیب و غریب کام کرنا، فساد کھرا کرنا، ازام دینا
کنایہ کبیرہ:	برداگناہ
حنجینہ:	خزانہ
گورگڑھے:	قبر کے کنارے، موت کے قریب
گھاؤ:	رشم
گیاہ:	گھاس
لازوال:	- جس کو کسی زوال نہ آئے
لائل پور:	فیصل آباد کا پرانا نام
لائچل مسلک:	حل نہ ہونے والا مسئلہ
لٹرپچر:	ادب، ذخیرہ ادب
لعل:	سرخ موتو
لوحیں:	لوح کی جمع، تختیاں، جلدیں
لہر بہر:	خوش حالی
لئیں:	چمار، ڈوری، گوٹہ کناری
لیسی ہوئی:	لیس گئی ہوئی
ماتھنا:	فکر ہوئی، بُرے آثار نظر آئے
مارامار:	جلدی، کثرت
ماہی:	مچھل
محتمم:	مسکراہٹ آمیز
محب:	تجب کرنے والا، حیران
متمول:	مال دار
متنوں:	رٹا رنگ، مختلف اقسام کے

مشیخ خاک:	مشیخ بھر خاک مراد ہے انسان
مُنَكِّ:	خوشبو
منَ:	دل
مندوین:	کافر نہ کے شر کا، مندوب کی جمع
ملک:	جڑی ہوئی، متعلق
منکر الیزاج:	وہ شخص جس کی طبیعت میں اکسار اور تو پاسح ہو
نمیان:	ناک میں بولنا، صاف نہ بولنا، بڑا بڑا
منہدم کرنا:	ڈھاد دینا، گرد دینا
منہمنہ لگانا:	اہمیت نہ دینا
موم خام:	کچی موم
موئے:	موت کے قابل، ایک طرح کی گالی
مهتمم:	اہتمام کرنے والا، پتختنم، ناعم
مہر:	سورج
مہر عالم تاب:	دنیا جہاں کو رون کرنے والا سورج
مہد صیام:	روزوں کا مہینا
مہمل:	بے معنی، سمجھ میں نہ آنے والا
مہین:	باریک
میراث:	جاسیدا، ترک، وراشت
میر سوالات:	سوال نامے کا انچارج
تاروا:	نا جائز، نامناسب
تاماائم الفاظ:	کمر درے الفاظ، گالی
نایاب:	جیتی
نیا نات:	پودے، درخت، زمین سے اگئے والی ہرجز
نچانہ بیٹھنا:	زمین سے نہ بیٹھنا
صحیف وزرار:	کمر درے لاغر

ندازو:	غائب، ناموجود
نفع:	عربی رسم خط، اس کی کئی اقسام ہیں
نخاط انگلیز:	خوشی زیادہ کرنے والا
نظام خطبات:	دلیل یونیورسٹی کے شعباء ردو میں ہر سال کسی عالم کو علمی پیکچر (خطبہ) دینے کے لیے مدعو کیا جاتا تھا۔
نفرين:	نفرت، بعثت
نكڑ:	موڑ، گلی کا اختتام
نگاہ موٹی ہو گئی:	نظر کمزور ہو گئی تھی
نگہداشت:	دیکھ بھال
نگیرے:	چھت کے نیچتا ہوا کپڑا، مراد ہے سائبان
نو اڑش نامہ:	خط، محبت اور مہربانی سے لکھا گیا خط
نو بیس بجھنگیں:	نثارے بننے لگے
نوچ:	ایسی تحریر جس میں افسوس اور رنج و غم کا اظہار کیا گیا ہو
نہنگ:	گمرچھ
نیاری:	الگ، نادر، عجیب
نچ:	ادنی، بھلی، نچلا
نیلم:	نیلے رنگ کا موتی
نیم تاج:	آدھے سر کا تاج، چھوٹا تاج
واجب الاداء:	ادا کردینے کے قابل
واسپرائے:	دو یا گلابی میں ہندوستان کے برطانوی گورنر کا لقب
و دیعت کی:	عطائیک، سونپی
وصال:	انتقال کر جانا (لفظی معنی ہے: ملاقات، ملتا)



اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے

شگفتہ صیرا الحسینی ترمذی

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے

عباس جب صبح بیدار ہوا تو نماز پڑھ کر جلدی جلدی سکول جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔ سکول بچنے کر اس نے اپنے دوستوں کو تایا کہ رات اس نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ بندوق اور قلم میں بحث و سکر ارہو ہی تھی اور آخر کار فتح قلم کو ہوتی۔ سب دوستوں نے پوچھا! اچھا وہ خواب کیا تھا تو عباس نے قلم اور بندوق کے متعلق اپنا خواب سناتے ہوئے کہا کہ:

قلم اور بندوق دونوں پڑوی تھے۔ ان کے درمیان اکثر کسی نہ کسی بات



پر سکر ارہو جاتی، جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قلم بندوق کو ہمیشہ بڑے کاموں سے منع کرتا۔ ایک مرتبہ قلم کو اہل علم کی محفل میں شرکت کے لیے ملک سے باہر جانا پڑ گیا۔ وہاں اس کا قیام خاصا طویل ہو گیا۔ جب وہ واپس لوٹا تو ملک کا عجیب حال تھا۔ ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ کیا بچہ کیا بڑے بوڑھے سب بندوق اور اس کے بڑے دوستوں (بم، خنجر، پستول وغیرہ) کی شیطانیوں سے خوف زدہ تھے۔ ان کے پھیلائے ہوئے خوف وہ راست سے سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔ جہاں دیکھو اور سنو گولیاں چلتے اور بم دھا کوں کی خبروں سے کہرام مچا ہوا تھا۔ قلم کو اپنے طین عزیز کی اس حالت پر بے حد کہ ہوا اور اس نے بندوق کو لالکار کر کہا:

مہر اے بزرد! تجھے کچھ خدا کا خوف نہیں، جو تو اس طرح انسانیت کا قتل عام کر رہی ہے؟ جوان، بوڑھے اور عورتیں حتیٰ کہ اب تو معصوم بچوں کے سکول بھی تیری شیطانیت سے محفوظ نہیں۔

اری ظالم! دیکھتے ہی دیکھتے تو نہ ہمارے ہرے بھرے آشیانے کو دیر ان کر دیا ہے۔

بندوق نے کہا: واہ رے قلم! ایسا خوف اور کسی شیطانیت؟ کبھی تم لوگوں نے اپنے طرز عمل پر نگاہ ڈالی ہے؟ کبھی سوچا ہے ان مسائل کی اصل وجہ کیا ہے؟

قلم بولا: اری اوسی شیطان! کیا کہنا چاہتی ہو؟ ان بے گناہ لوگوں کے خون کا الزام تم ہم پر کیسے لگا سکتی ہو؟
بندوق نے کہا: کیا تم نے نہیں سن؟

— خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

قلم نے گرج کر کہا: اس بات کیوضاحت کرو۔ اپنے گناہوں پر پردہ نہ ڈالو میں تو پہلے ہی تیری اور تیرے دوستوں کی شیطانیت سے عاجز تھا۔

بندوق

بندوق نے کہا او ہوا چھا! — کہاں تک سنو گے کہاں تک سناؤ؟
تم اور تمہارے لوگوں کے اتنے مسائل ہیں کہ ڈھیر لگا ہوا ہے، میں نے صرف ان مسائل کا فائدہ

اٹھایا ہے اور چنگاری لگا کر ہوادی ہے۔

قلم نے ناراض ہوتے ہوئے کہا: صاف صاف بتاؤ اور کھل کربات کرو۔ تم نے کن سائل کا فائدہ اٹھایا ہے؟ اور تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم نے صرف چنگاری کو ہوادی ہے؟
بندوق نے طڑا کہا: وہ رے تیری مخصوصیت! اتنے نادان نہ ہو، کیا تم نہیں جانتے یہاں ہر کوئی ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھور رہا ہے؟ مثلاً غریب جا گیر دارے نالاں ہے تو جا گیر دار غریب پر خار کھائے بیٹھا ہے۔ کہیں رنگ دنس پر ٹوٹوٹیں میں ہے تو کہیں تفریق بازی عروج پر ہے۔ ہر کوئی اپنے مقصد کے لیے مذہب میں اپنے اپنے راستے بنائے بیٹھا ہے۔ مذہب کی اصل حقیقت جو تمہارے اللہ اور رسول نے بتائی ہے تم سب بھول گئے ہو؟ تم لوگ تو اپنے پڑھنے پڑھانے کی درخشاں روایت کو بھی نظر انداز کر بیٹھے ہو۔
غربت کا یہ عالم ہے کہ چند روپوں کے لیے مفاد پرست لوگ ہر طرح کی دہشت گردی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ بس میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ انہی اختلافات کا فائدہ اٹھایا ہے۔
اب تم خود بتاؤ میں نے کیا لفظ کیا؟

قلم بولا: کیا تم اور تمہارے دوست یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے سائل حل نہیں کر رہے اور اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کر رہے؟

بندوق نے کہا: تمہارے کام ہملا! میں یہ بھی تھیں بتائے دیتی ہوں۔ تمہارے سائل اتنے ہیں کہ اگر تم سب مل کر بھی کوشش کرو تو ان سائل کو حل کرتے کرتے بر سوں سرمنہ اٹھا سکو گے۔ مگر تمہارا یہ حال ہے کہ کام کرنے والے گفتگی کے چند لوگ ہیں۔ زیادہ تر لوگ طزو و تقدیر بھرے ڈھواں دار جملے بولتے ہیں اور پھر افسوس کے بعد بسکٹ چائے پی کر فوج کر ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ ہم جیسے لوگوں کا بھلا کر جاتے ہیں۔

قلم بولا: بس کرواؤ نادان! اب میں تمہاری دال زیادہ دیر گلنے نہیں دوں گا۔
تجھے اور تیرے شیطان دوستوں کو اپنی پاک سرزی میں سے نکال کر ہی دم لوں گا۔ اب دیکھ میں تجھے بر باد کرنے کے لیے کیا کیا کرتا ہوں؟

قلم پریشانی سے اپنے کمرے میں ٹھلتے ہوئے سوچ میں گم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈعا فکتے ہوئے کہنے لگا:



بندوق



دکھ

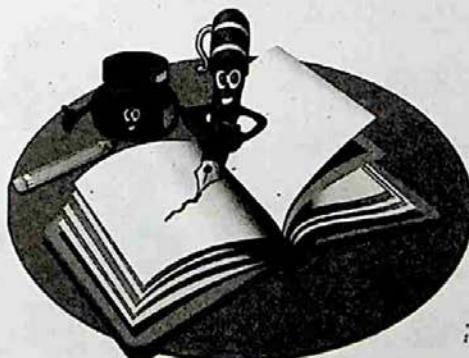


یا اللہ! میری مدد فرماء کہ میں کیسے اس مصیبت سے اپنے وطنِ عزیز کو نجات دیاؤں؟

اچانک اس کی نظر قریب پڑی کتاب کی اس تحریر پر پڑی:

— اُنھے باندھ کر کر کیوں ڈرتا ہے جب کہ دوسرا جگہ لکھا تھا:

بس پھر کیا تھا کہ قلم نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر اپنے وطنِ عزیز کے ہر کوچے، گاؤں، شہر اور کونے کو نے میں جائے گا اور ان سائل کے حل کے لیے اپنی جان کی بازی تک لگادے گا اور کسی بھی طرح بندوق اور اُس کے شیطان دوستوں کے ناپاک ارادوں کو کامیاب نہ ہونے دے گا۔ وہ یہ ثابت کر دے گا کہ قلم کی طاقت بندوق اور اُس کے دوستوں سے کہیں زیادہ ہے۔
یہ خواب سن کر عباس کے دوستوں نے عہد کیا کہ اس جنگ میں وہ بھی قلم کا ساتھ دیں گے اور اپنے وطن کو امن و آشتی کا گھوارہ بنائیں گے۔



تم بندوق سے حملہ کرتے ہو،
ہم تم پر قلم سے حملہ کریں گے۔

دوسروں کے حقوق کا خیال رکھو

عدل و انصاف کا پرچار کرو

دہشت گردی سے متاثرہ لوگوں کی
ہر ممکن دل جوئی کرو

ذمہ بکے نام پر قتل عام کیوں؟

جگومت کی لفظیں ترجیح...
دہشت گردی کا خاتمه

ہر طرح کا امن و امان قائم کرو

اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرو

ہر طرح کے اچھے ثابت روپیں
کو پروان چڑھانا

دہشت گردی کی حوصلہ ٹکنی

ایک قوم بن کر ابھرنا

اسلام
امن و آفی کا نزدیک

دہشت گردوں سے آہنی ہاتھوں
سے غمٹنا

غربت کا خاتمه

دہشت گردی کے خاتمه کے لیے
ذین الاقوای کا فرنگیوں کا انعقاد

مذہبی آزادی اور رواداری

دہشت گردی کو جز سے اکھاڑنا اولین ترجیح

دہشت گردی کا پروپیگنڈا
کرنے والوں کو بے نقاب کرنا

دہشت گردی سے منٹنے والے
اداروں کی ہر ممکن مدد کرنا

اسلام میں دہشت گردی کی کوئی محکماں نہیں

دوسروں کی رائے کا احترام کریں

قلم ہستے ہوئے

غلام کی فتح

ہائے! ہم مر گئے

مشق

-1 سبق کے متن کو سامنے رکھ کر درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:

- i علم کی طاقت سے کس طرح بندوق کو نکست دی جاسکتی ہے؟
- ii حکومت کی اولین ترجیح کیا ہے؟
- iii دہشت گردی سے معاشرتی زندگی کس طرح متاثر ہوتی ہے؟
- iv اسلام کیسے امن و آشی کا مذہب ہے؟
- v مشکل حالات میں کیا روایہ اپنا ناچاہیے؟

مناسب الفاظ

دہشت گردی
روتوں
حقوق
مذہب

- i مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:
اقیتوں کے _____ کی حفاظت کرو۔
 - ii حکومت کی اولین ترجیح _____ کا خاتمه ہے۔
 - iii اسلام امن و آشی کا _____ ہے۔
 - iv ہمیں ہر طرح کے ثابت _____ کو پروان چڑھانا ہے۔
- 3 درج ذیل الفاظ کی مدد سے ایسے جملے بنائیں جو ان کا مفہوم واضح کر دیں:

- i بحث و تکرار:
- ii افراتفری :
- iii طریقہ عمل :
- iv مسائل :
- v حقیقت :
- vi تقید :

-4 نیچے دیے گئے کالم (()) کو کالم (ب) سے اس طرح ملائیں کہ مفہوم واضح ہو جائے:

اقیتوں کے حقوق کی احترام کریں۔	
دہشت گردی کی کوئی نجاشی نہیں۔	حکومت کی اولین ترجیح
دہشت گردی کا خاتمه۔	اسلام میں
حفاظت کرو۔	دوسروں کی رائے کا

بہادر بچے



پاکستانی بچے ہیں ہم ، امن سے اتنا پیار ہمیں
 اپنے اندر کے دشمن سے لڑنا ہے اس بار ہمیں
 دریا میں طغیانی ہے ، منجدہار میں کشتی ٹھہری ہے
 لیکن ہم نے سوچ لیا ہے ، جانا ہے اُس پار ہمیں
 کلیاں دل کی کھل جائیں گی ، باد صبا املاۓ گی
 فصل بہار ہے آنے والی ، دیکھتے ہیں آثار ہمیں
 صحنِ چمن کی مٹی کو ہم اپنے خون سے سینچیں گے
 اس کا اک اک صمرا آخر کرنا ہے گلزار ہمیں
 ہم آنکھوں میں سپنے لے کر آگے بڑھتے جائیں گے
 موت سے ہم کو ڈر نہیں لگتا ، جینے سے ہے پیار ہمیں
 منزل پر پہنچیں گے اک دن ، وہیں قیام کریں گے ہم
 روک نہیں سکتی ہے ناصر کوئی بھی دیوار ہمیں

ناصر بیشیر

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیں:

- (الف) پاکستانی بچوں کو کس چیز سے پیار ہے؟
 - (ب) پاکستانی بچوں نے کس سے لڑنے کا عزم کیا ہے؟
 - (ج) پچھے، صحنِ چون کی مٹی کو کس چیز سے سینچیں گے؟
 - (د) پاکستانی بچوں کو کس شے سے ڈرنیں لگتا؟
- ۲۔ نظم کا علا صاء پنے الفاظ میں لکھیں۔

۳۔ نظم کے متن کو ذہن میں رکھ کر درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) کشتی کہاں ٹھہری ہے؟

- (i) دریا میں
- (ii) ساحل پر
- (iii) مجدد حار میں
- (iv) ہرول پر
- (ب) شاعر کے مطابق کون سا موسم آنے والا ہے؟

 - (i) بہار
 - (ii) خزان
 - (iii) گری
 - (iv) بردی

- (ج) پچھر اکو کیا بانا چاہتے ہیں؟

 - (i) سبزہ زار
 - (ii) گلتاں
 - (iii) باغ
 - (iv) گزار

- (د) ایک دن پاکستانی پچھے قیام کریں گے:

 - (i) منزل پر
 - (ii) راستے میں
 - (iii) دشت میں
 - (iv) گھر میں

۴۔ درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کیجیے:

طبعانی، امن، گزار، املاع، کشتی

۵۔ مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(ا) اپنے _____ کے دشمن سے لڑنا ہے اس بارہ میں

(ب) لیکن ہم نے _____ لیا ہے، جانا ہے اس پارہ میں

(ج) کلیاں دل کی _____ جائیں گی باوصبا املاعے گی

(د) صحنِ چون کی مٹی کو ہم اپنے _____ سے سینچیں گے

(e) منزل پر پچھیں گے اکی دن، وہیں _____ کریں گے ہم

۶۔ درج ذیل الفاظ کے معانی لغت میں تلاش کریں:

مجدد حار، طبعانی، باوصبا، املاع، سینچنا

مناسب الفاظ

خون
اندر
قیام
سوچ
کھل

